روزے کا تقاضا

نبی ﷺ نے فرمایا:

((من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة أن يدع طعامه وشرابه .))

’’جس نے (روزہ رکھنے کے بعد) غلط باتیں اور غلط کاموں کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے روزے کے بنیادی مقصد کو بیان فرمایا ہے کہ جو شخص ایک طرف تو اللہ کا کہا مان کر روزے جیسی عبادت بجا لاتا ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اس کی نافرمانی اور معصیت کا راستہ اپناتے ہوئے فحش گوئی، بدکلامی اور سوقیانہ زبان درازی کرتا ہے اور عمل میں بھی کچھ خاص تبدیلی نہیں لاتا بلکہ اسی پرانی روش پر چلتے ہوئے بدعادتوں کو اپنائے رکھتا ہے تو ایسے شخص کا روزہ اس کے حق میں قطعاً سودمند نہیں ہوگا بلکہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے روزے دار کے عمل صوم کو نظر قبولیت سے نہیں دیکھتا، ((فليس لله حاجة ...... إلخ)) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اللہ ربّ العزت ہمیں توفیق بخشے کہ ہم جملہ عبادات کو کما حقہ ادا کرسکیں۔ وبالله التوفيق

روزہ اور دعا

روزے اور دعا کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن لله تبارك وتعالى عتقاء في كل يوم وليلة يعني في رمضان وإن لكل مسلم في كل يوم وليلة دعوة مستجابة .)) (صحيح الترغيب، رقم الحديث : ١٠٠٢)

''بے شک اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کے ہر دن اور رات میں (لوگوں کو جہنم سے) آزاد کرتے ہیں اور (ماہِ رمضان کے) ہر دن اور رات میں ہر مسلمان کے لیے ایک ایسی دعا ہے جسے قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔''

ماہ رمضان کے علاوہ احادیث میں مختلف مواقع پر دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: رات کے آخری حصے میں (بخاری، رقم الحدیث: ۱۱۴۵)، اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں (ترمذي، رقم الحدیث: ۲۱۵)، دورانِ سجدہ (نسائی، رقم الحدیث: ۱۱۳۷)، فرض نمازوں کے بعد (ترمذي، رقم الحدیث: ۳۴۹۹)، کفار سے جنگ کے وقت (ابوداود، رقم الحدیث: ۲۵۴۰)، زم زم کا پانی پیتے وقت (ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۴۸۴)، جمعہ کے دن ایک خاص وقت (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۲۹۴،۹۳۵)، نزولِ بارش کے وقت (السلسلة الصحیحة، رقم الحدیث: ۱۴۶۹) تلاوت قرآن کے بعد (ترمذي، رقم الحدیث: ۲۹۱۷)، جب مرغ بولے (صحیح بخاري، رقم الحدیث: ۳۳۰۳)

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر والإمام العادل ودعوة المظلوم يرفعها الله فوق الغمام ويفتح لها أبواب السماء ويقول الرب: وعزتي لأنصرنك ولو بعد حين .)) (صحيح ترمذي: ٣٥٩٨، ابن ماجه: ١٧٥٢، أحمد: ٢/ ٣٠٥، ابن حبان: ٣٤٢٨، بيهقي في شعب الإيمان: ٧٣٥٨،٥٨٨)

''تین بندے ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی، عادل حکمران، روزہ دار حتی کہ وہ افطار کر لے اور مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت بغیر بادلوں کے اٹھائیں گے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میری عزت کی قسم! میں ضرور تمھاری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد ہی کروں۔''

روزے دار کے علاوہ لوگوں کی بھی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر یہ لوگ روزے کی حالت میں دعا کریں تو اور زیادہ قبول ہوگی، مثلاً: مجاہد اور حج وعمرہ کرنے والے کی دعا (ابن ماجہ: ۲۸۹۳)، مظلوم، مسافر اور والد جو اپنی اولاد کے حق میں دعا کرے (ابن ماجہ: ۳۸۶۲)، نیک اولاد جو اپنے والدین کے حق میں دعا کرے (ابن ماجہ: ۳۶۶۰)، مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا مانگنے والا (مسلم: ۲۷۳۳)، آسانی وخوش حالی میں بہ کثرت دعا کرنے والا (صحیح، السلسلة الصحیحة: ۵۹۳)، سیّدنا یونس علیہ السلام کی دعا پڑھ کر دعا کرنے والا (ترمذي: ۳۵۰۵) افطاری کے وقت ایک ایسی دعا ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔ سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إن للصائم عند فطره دعوة ما ترد)) ''بلاشبہ روزہ دار کے لیے افطاری کے وقت ایک ایسی دعا ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔'' (ابن ماجه: ١٧٥٣، بيهقي في شعب الإيمان: ٣٩٠٤، مستدرك حاكم وصححه: ١/ ٤٢٢)

اگر روزہ بھی رکھا ہے لیکن حرام کماتا ہے، کھاتا ہے تو حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی (مسلم: ۱۰۱۵)، اسی طرح غفلت اور بے توجہی سے دعا کرنے والوں کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذي: ۳۴۷۹)، اسی طرح گناہ اور روزے کی حالت میں گناہ اور قطع تعلقی کی دعا بھی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ (مسلم: ۲۷۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیة

14 رمضان المبارک 1433ھ جمعة المبارک 03 تا 09 اگست 2012ء

شمارہ 31 جلد 64

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

رمضان المبارک اور دعا

ملک عصمت اللہ

’’رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت، روشن دلیلیں اور فرقان (حق و باطل کو جدا کرنے والا) ہے۔ پس جو تم میں سے یہ مہینا پائے اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ بعد کے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔ چاہیے کہ تم گنتی پوری کرو اور تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور تم شکر ادا کرو...... اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (انھیں بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں۔ میں قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے مانگے، پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں...... تمھارے لیے جائز کر دیا گیا ہے روزے کی رات میں اپنی عورتوں سے ملاپ کرنا، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے ساتھ خیانت کرتے تھے سو اس نے تمھیں معاف کر دیا اور تم سے درگزر کیا، پس اب تم ان سے ملو اور جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ واضح ہو جائے تمھارے لیے فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے، پھر تم رات تک روزہ پورا کرو اور ان سے نہ ملو جب تم اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، پس ان کے قریب نہ جاؤ۔ اس طرح واضح کرتا ہے اللہ لوگوں کے لیے اپنا حکم تا کہ وہ پرہیز گار بن جائیں۔‘‘

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ تا ۱۸۷ کے اوپر دیے گئے ترجمے پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لیجیے۔ صیام اور ماہ صیام کے مسائل کا بیان کرتے ہوئے یکا یک سلسلہ کلام روک کر دعا کا ذکر شروع کر دیا گیا اور پھر سلسلہ کلام سابقہ مضمون پر بحال کر دیا گیا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ صیام اور ماہِ صیام سے دعا کا خاص اور گہرا تعلق ہے۔

اس آیت کریمہ میں مفاہیم و معانی کا ایک جہاں آباد ہے کہ روزہ قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے اور اسی قرب کی بنا پر دعا شرف قبولیت حاصل کرتی ہے، پھر یہ نہیں کہا کہ ’’تم کہہ دو‘‘ میں قریب ہوں بلکہ سوال کا خود جواب ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں قریب ہوں۔ پھر یہ نہیں کہا کہ میں تمھاری پکار سن رہا ہوں بلکہ فرمایا میں تمھاری دعا قبول کرتا ہوں۔

دعا کی قبولیت میں احوال و اوقات کا بھی خاصا دخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو باری تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور اپنے بندوں کو پکارتے ہیں کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشوں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے تو میں عطا و بخشش کی بارش برسا دوں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔

سال کے گیارہ مہینے یہ وقت اللہ کے خاص بندوں کو ہی میسر آتا ہے لیکن رمضان المبارک میں یہ وقت ہر روزے دار کی دسترس میں دے دیا جاتا ہے۔ ہر روزہ دار سحری کے لیے جاگتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جب مولیٰ کریم اپنے بندوں کو پکارتے ہیں۔ اب بندوں کا اپنا اپنا ظرف ہے کہ وہ اس وقت سے کیسے اور کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

دعا کی قبولیت کی گھڑیوں کو عموماً پردۂ اِخفا میں رکھا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا اور فرمایا:

''اس دن ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس ساعت میں اللہ سے کچھ طلب کرے تو جو کچھ طلب کرے وہ اسے ضرور عطا فرما دیتا ہے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ گھڑی عصر سے لے کر سورج غروب ہونے تک ہے۔

پورے دن کا دورانیہ ہو یا عصر سے مغرب تک کا وقت، یہ گھڑی ان اوقات میں مخفی ہے اور اس کا کوئی تعین نہیں ہے لیکن رمضان المبارک کی برکت سے اس مقبول گھڑی کا نہ صرف انکشاف کر دیا گیا ہے بلکہ اسے نہایت قلیل وقت میں محدود بھی کر دیا گیا ہے۔ ابوداود طیالسی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((للصائم عند فطره دعوة مستجابة)) یعنی روزہ افطار کرتے وقت روزے دار کی دعا مقبول ہے، اسی لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کو افطار کے وقت جمع کر کے دعا کرتے۔ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((إن للصائم عند فطره دعوة ما ترد)) یعنی روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

دعا کی کچھ شرائط اور کچھ آداب ہیں۔ اگر ان آداب وشرائط کو ملحوظ خاطر رکھ کر دعا مانگی جائے تو ممکن نہیں کہ دعا قبول نہ ہو بہ شرط کہ وہ دعا بندے کے مفاد میں ہو۔

دعا کی قبولیت کی پہلی شرط قلب کی حضوری ہے۔ یہ کیا دعا ہوئی کہ آدمی ہاتھ اٹھائے اللہ سے کچھ مانگ رہا ہو مگر دل وساوس کی آماجگاہ بنا ہوا ہو۔ دماغ تصوراتی محل اسارنے میں مصروف ہو۔ دعا مانگی جارہی ہو مگر خیالات کہیں اور بھٹک رہے ہوں یا خیالی پلاؤ پکائے جارہے ہوں ((واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه)) ''جان لو! اللہ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔'' دعا وہ قبول ہوتی ہے جس میں کرب واضطرار کا اظہار ہو: ﴿امن يجيب المضطر اذا دعاه﴾

دعا کی قبولیت کی دوسری شرط اَکلِ حلال ہے۔ بسا اوقات دعا کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ پیٹ میں لقمہ حلال کا نہیں ہوتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسے ہی مسکین صورت مگر حرام خور شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر ىمد يديه إلى السماء: يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب له .)) (مسلم)

''ایک شخص طویل سفر طے کر کے آیا ہو۔ لمبی مسافت طے کرنے کی وجہ سے اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوں۔ وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر (پوری دل سوزی کے ساتھ) اپنے رب کو بار بار پکار رہا ہو: اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حال یہ ہو کہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا پہننا سب حرام کا ہو بلکہ اس کی پرورش ہی رزقِ حرام سے ہوئی ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟''

دعا کی اس شرط کو ہم نے فراموش کر دیا ہے بلکہ ہم تو حلال وحرام میں فرق کرنے کی زحمت بھی عموماً گوارا نہیں کرتے نتیجتاً ہمارا معاشرہ کرپشن کی دلدل میں گلے تک دھنس چکا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ دعا پورے عزم ویقین سے مانگی جائے اور جلد بازی سے کام نہ لیا جائے کیوں کہ دعا کی قبولیت کا بھی اللہ کے ہاں مقرر وقت ہوتا ہے۔ بعض دفعہ دعا کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی نازل ہونے والی مصیبت دور کر دی جاتی ہے۔

دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعا کے آغاز واختتام پر درود شریف پڑھا جائے اور کسی کے لیے دعا کرنے سے پہلے خود اپنے لیے دعا کرے۔

آیئے! رمضان المبارک کے ان مقدس اور بابرکت لمحات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں اور اپنے رب سے مانگ کر اپنی جھولیاں بھر لیں۔

درس قرآن — قسط نمبر ۳۴

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ﴾ [یٰس: ۳۷]

”اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو کھینچ اُتارتے ہیں تو اچانک وہ اندھیرے میں رہ جانے والے ہوتے ہیں۔“

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید، اس کی قدرتِ کاملہ اور قیامت کے وجود کی دوسری دلیل بیان ہوئی ہے۔ اس سے پہلے زمین کے احوال سے انھی امور پر دلیل کا ذکر ہوا ہے اور اب رات کے حوالے سے ہو رہا ہے۔ ساری مخلوق چونکہ مکان وزمان سے وابستہ ہے، انسان کا زیادہ تعلق زمین سے ہے، یہ اس پر رہتا اور چلتا پھرتا ہے، اس لیے پہلے مکانی دلیل، یعنی زمین کو ذکر کیا ہے اور اب زمانی دلیل، یعنی رات اور دن کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

زمین کی طرح رات اور دن میں بھی ایک ایسی نشانی ہے کہ بادی النظر میں انسان اس کی طرف توجہ نہیں کرتا، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے آنے کی روشن دلیل ہے۔ رات دن کا یہ انقلاب، اپنے وقت مقررہ پر یہ طلوع وغروب اور اس میں یہ دوام اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ یہ سارا نظام ایک قادر مطلق کے حکم سے قائم ہے۔ دن جب غالب آتا ہے، رات کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا اور جب رات چھا جاتی ہے تو دن کی اثر پذیری کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظام خود بہ خود نہیں چل رہا، ورنہ غالب آنے والا مغلوب کو کبھی اُبھرنے نہ دیتا۔ ایک ہستی ہے جو یہ نظام بدستور چلا رہی ہے، اس کے چلانے میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں ہے۔ اگر کوئی اور بھی اس میں دخل انداز ہوتا تو اپنے غالب کیے ہوئے عنصر کو مغلوب نہ ہونے دیتا۔ ایک قاعدہ اور ترتیب کے مطابق رات اور دن کا یہ انقلاب اس بات کی بین دلیل ہے کہ ایک قادر مطلق ہستی کے علاوہ یہاں کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

یہاں ﴿نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ کے الفاظ ہیں۔ ”سلخ“ کے اصل معنی کھال کھینچنے کے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ رات سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں۔ کھال کھینچنے میں یک بارگی نہیں ہوتی، ایسے ہی دن بھی آناً فاناً نہیں آ جاتا بلکہ آہستہ آہستہ نمودار ہوتا ہے گویا رات پر نور کی چادر اُڑھائی جا رہی ہو۔ اور رات آنے پر دن کی نورانی چادر کو ہم کھینچ لیتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

مگر قرآنِ مجید میں ایک جگہ بیان ہوا ہے کہ رات اور دن کا یہ انقلاب بڑی تیزی سے ہوتا ہے:

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ [الأعراف: ٥٤]

”رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے جو تیز چلتا ہوا اُس کے پیچھے چلا آتا ہے۔“

یہ تیزی اپنے اصل مدار میں ہے۔ ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ سورج اپنے پورے نظام کو لیے ہوئے ۲۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ زمین سے سورج کی دوری کی بنا پر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ اسی لیے رات اور دن کے انقلاب میں آہستگی ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی حقیقی منافات نہیں۔ امام قتادہ رحمہ اللہ نے ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ [الحج: ٦١] کی کیفیت بھی اسی طرح بیان کی ہے جیسا کہ سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۱۳ میں ہم مفہوم ذکر کر آئے ہیں۔ [1]

[1] دیکھیے ہفت روزہ الاعتصام، جلد: ۶۳، شمارہ: ۲۶، مجریہ یکم تا ۷ر جولائی ۲۰۱۱ء

اسی طرح ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ﴾ [الزمر: ٥] ''رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔'' میں بھی یہی مفہوم ہے کہ یہ لپیٹنا یک بارگی اور آناً فاناً نہیں ہوتا بلکہ ایک ترتیب وترکیب کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ سب ہم ہی کررہے ہیں۔ اگر ہم نورانی چادر نہ اوڑھائیں تو ہمیشہ رات چھائی رہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ٥ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥﴾ [القصص: ٧١، ٧٢]

''کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات کردے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے پاس کوئی روشنی لے آئے! کیا تم سنتے نہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک دن کردے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھارے پاس کوئی رات لے آئے جس میں تم آرام کرو! کیا تم نہیں دیکھتے۔''

اس کے باوجود اگر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ سارا نظام خود بہ خود چل رہا ہے یا اس کے چلانے میں متعدد ہستیوں کا عمل دخل ہے تو یہ سرتاپا نامعقول بات ہے جو دلیل سے بالکل عاری ہے۔

گزشتہ آیت میں جو جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کرنے کا ذکر تھا، یہ رات دن بھی اسی جوڑے کی ایک صورت ہے بلکہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ [الذاريات: ٤٩]

''اور ہم نے ہر چیز کی دو قسمیں بنائی ہیں۔''

یعنی ہر کسی کی ضد اور مقابل چیز بنائی ہے کیوں کہ تقابل سے ہی خوبیوں کا پتا چلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی ایک جگہ پر بھی صرف رات کو یا صرف دن کو نشانی قرار نہیں دیا گیا۔ اس کائنات میں یہ مجموعۂ اَضداد جو ایک ڈھب سے چل رہا ہے اور اس سے پوری کائنات مستفید ہو رہی ہے، کیا یہ کارسازی اس بات کی دلیل نہیں کہ اس مجموعۂ اَضداد کو ایک سلیقے سے چلانے والی ایک ہی قادر مطلق ہستی ہے۔

لیل ونہار کا یہ نظام جس طرح معبود کے ایک ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ قیامت کے آنے کی بھی دلیل ہے، یعنی جو ہستی دن کو رات میں اور رات کو دن میں یوں تبدیل کررہی ہے کہ دن کے آنے پر رات کہیں نظر نہیں آتی اور رات آنے پر دن کی روشنی کا نشان باقی نہیں رہتا۔ جو ہستی ایک کو ختم کر کے دوسرے کو لانے پر قادر ہے اور اپنی باری پر دوسری کو ختم کر کے پھر پہلی کو لے آتی ہے تو وہ انسان کو موت دینے حتی کہ اس کے وجود کے آثار تک مٹا دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہوسکتی! گویا لیل ونہار کی آئے روز یہ تبدیلی حیات بعد الممات کی دلیل ہے۔ رات کی تاریکی موت اور قبر کی تاریکی کے مترادف ہے اور دن کی روشنی بہ منزلہ حیات کے ہے بلکہ ایک مقام پر فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ [الأنعام: ٦٠]

''اور وہی ہے جو تمھیں رات کو قبض کرلیتا ہے۔''

اس آیت میں رات کی نیند کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ تبدیلی تو تم روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو مگر موت کے بعد حیات پر یقین نہیں رکھتے۔

﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى﴾

[القيامة: ٤٠]

''کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کردے۔''

لیل ونہار کا یہ نظام اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس کارساز ہستی کا علم ذاتی اور ازلی ہے جس نے جب یہ نظام چلایا تو اسے آئندہ آنے والوں کی ضروریات وحاجات کا علم تھا۔ زمین وآسمان کو ایک متعین فاصلے پر رکھنا، سورج کو بھی ایک مقرر فاصلے پر رکھنا، زمین میں ہوا، پانی، حیوانات، نباتات حتی کہ مختلف معدنیات کا وجود بھی اس کے علم ذاتی وازلی کی دلیل ہے کہ آئندہ اس میں بسنے والی مخلوق کی حیات کا یہ جزو لازم ہے۔ اگر زمین سے سورج کا فاصلہ کم ہوتا یا زیادہ ہوتا، دن اور رات کا آنا جانا بہت تیز یا سست رفتار ہوتا، اس میں باقاعدگی نہ ہوتی، کبھی اچانک دن نکل آتا اور کبھی آناً فاناً رات چھا جاتی تو اس پر یہ نظامِ حیات برقرار نہ رہ سکتا۔ زمین وآسمان اور لیل

ونہار کا جب سے یہ نظام اللہ تعالیٰ نے چلایا ہے تب سے اس میں بسائے جانے والوں کے لیے یہ اہتمام اس کے علم ذاتی واَزلی کی روشن دلیل ہے کیوں کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اس پر نہ کوئی حالت مخفی ہوتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی چیز عاجز کرسکتی ہے۔

﴿فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ﴾ دن کی نورانی چادر اُتر جانے اور رات کے چھا جانے پر اچانک وہ اندھیرے میں رہ جانے والے ہوتے ہیں، یعنی اب ان کے ہاتھ میں یہ نہیں کہ وہ اندھیرے کو دور کردیں، وہ بہ ہرنوع اندھیرے میں چلے جاتے ہیں۔ کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ رات کے اندھیرے کو دن کی روشنی میں تبدیل کرسکے اور اپنے آپ کو اندھیرے سے بچالے بلکہ رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات کی تبدیلی میں بھی کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ رات آتی ہے تو اس کا اندھیرا سب پر چھا جاتا ہے، کوئی چاہے یا نہ چاہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ﴿اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ﴾ فرمایا ہے کہ ان کے لیے رات نشانی ہے اور اس پر سے دن کو کھینچ لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول رات ہے، پھر دن ہے۔ اور سورج کی روشنی بہ ہرحال حادث ہے۔ بلکہ قرآنِ مجید میں جہاں بھی رات اور دن کا ذکر ہوا ہے وہاں دن سے پہلے رات کا ذکر ہوا ہے، مثلاً ایک جگہ فرمایا:

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ﴾ [حم السجدة: ٣٧]

”اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۝﴾ [آلِ عمران: ١٩٠]

”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔“

اس سے بھی علمائے کرام نے یہ سمجھا ہے کہ رات اصل ہے۔ رات دن کی مدت جو ہمیشہ ۲۴ گھنٹے رہتی ہے، اس کا آغاز رات سے ہوتا ہے۔ گویا رات مقدم ہے اور دن مؤخر ہے۔ سورج غروب ہونے پر جب ہلال نمودار ہوتا ہے تو دن اور مہینے کا آغاز رات سے ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کا ہلال ہو یا عیدین کا، آغاز رات سے ہوتا ہے۔ صرف امت کی سہولت کے لیے ایام حج کی راتیں دنوں سے مؤخر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی عذر کی وجہ سے ۹ ذوالحج کو میدان عرفات میں نہیں پہنچ سکا بلکہ رات کو عرفات پہنچا اور صبح کی نماز مزدلفہ آکر پڑھ لیتا ہے تو اس کا حج ہوجاتا ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت عروہ بن مضرس اور عبدالرحمٰن بن یعمر سے روایت ہے۔

(ترمذي، رقم الحديث: ٨٨٩، ٨٩٠)

اسی طرح جمرات کو کنکریاں دن کو نہ ماری جاسکیں تو رات کو بھی ماری جاسکتی ہیں۔ طواف افاضہ بھی رات کو جائز ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله عزوجل خلق خلقه في ظلمة ثم ألقى عليهم من نوره يومئذ فمن أصابه من نور يومئذ اهتدى، ومن أخطأ ضل، فلذلك أقول: جف القلم على الله.)) (مسند أحمد: ٢/ ١٧٦، ١٩٧، السنة لابن أبي عاصم: ٢٤٣، صحيح ابن حبان: ٦١٦٩ وغيره)

”اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنا نور ڈالا، جس نے اس روز اس نور سے حصہ پالیا وہ ہدایت پا گیا اور جو نور کو نہ پاسکا گمراہ ہوگیا، اسی لیے میں تمھیں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہوگیا ہے۔“

یہ روایت مسند احمد میں دو اسناد سے مروی ہے، ان میں سے ایک سند کے راوی ثقہ ہیں اور اسے امام طبرانی اور بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد، ٧/ ١٩٣، ١٩٤)

اس سے معلوم ہوتا ہے ظلمت پہلے ہے اور نور اس کے بعد۔ مگر امام ابن جریر نے امام ابن اسحاق کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور اور ظلمت کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کو جدا کیا تو ظلمت کو رات بنادیا اور نور کو روشن دن بنادیا۔ (البداية: ٩/٧) واللہ اعلم

درسِ حدیث

توفیق الباری

''الادب المفرد'' للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: المعرفة

جان پہچان رکھنا

١٣٣٢ . عن المغيرة بن شعبة قال رجل: أصلح الله الأمير إن آذنك يعرف رجالا فيؤثرهم بإذن، قال: عذره الله، إن المعرفة لتنفع عند الكلب العقور وعند الجمل الصؤول . (ضعيف الإسناد)

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اللہ تعالیٰ امیر کی اصلاح فرمائے، آپ کا دربان اپنے پہچان والے لوگوں کو آپ کے پاس اندر آنے میں ترجیح دیتا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اسے معذور جان کر معاف فرمائے۔ جان پہچان تو ایسی چیز ہے جس کا کاٹنے والا کتا اور اونٹ بھی خیال کرتا ہے۔''

باب: لعب الصبيان بالجوز

لڑکوں کا اخروٹ کھیلنا

١٣٣٣ . عن إبراهيم قال: كان أصحابنا يرخصون لنا في اللعب كلها غير الكلاب .
قال أبو عبد الله: يعني للصبيان .

''ابراہیم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کتوں کے علاوہ ہمیں ہر طرح کا کھیل کھیلنے کی اجازت دیتے تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: یعنی یہ رخصت صرف بچوں کے لیے ہے۔''

١٣٣٤ . عن أبي عقبة قال: مررت مع ابن عمر مرة بالطريق فمر بغلمة من الحبش فرآهم يلعبون فأخرج درهمين فأعطاهم .

''ابوعقبہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر کے ساتھ ایک راستے پر جا رہا تھا۔ حضرت ابن عمر حبشی لڑکوں کے پاس آئے جو کھیل رہے تھے۔ انھوں نے ان کو دو درہم نکال کر دیے۔''

١٣٣٥ . عن عائشة أن النبي ﷺ كان يسرب إلي صواحبي يلعبن باللعب: البنات الصغار .

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری سہیلیوں کو میرے پاس چھوٹی گڑیوں سے کھیلنے کے لیے بھیجتے تھے۔''

باب: ذبح الحمام

ذبح کرنا کبوتروں کا

١٣٣٦ . عن أبي هريرة قال: رأى رسول الله ﷺ رجلا يتبع حمامة، قال: ((شيطان يتبع شيطانة .))

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتر کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔''

١٣٣٧ . عن الحسن قال: كان عثمان لا يخطب جمعة إلا أمر بقتل الكلاب وذبح الحمام .

''حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر خطبہ جمعہ میں کتوں کو مارنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیتے تھے۔''

١٣٣٨ . عن الحسن قال: سمعت عثمان يأمر في خطبته بقتل الكلاب وذبح الحمام .

''حضرت حسن سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ خطبے میں کتوں کو مارنے اور کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے رہے تھے۔''

باب: من كانت له حاجة فهو أحق أن يذهب إليه

جس کو ضرورت ہو وہ خود جائے

١٣٣٩ . عن زيد بن ثابت أن عمر بن الخطاب جاء ه يستأذن عليه يوما، فأذن له ورأسه في يد جارية له ترجله، فنزع رأسه، فقال له عمر: دعها ترجلك، فقال: يا أمير المؤمنين! لو أرسلت إلي جئتك. فقال عمر: إنما الحاجة لي .

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر ان کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت دے دی، ان کا سر اُن کی لونڈی کے ہاتھوں میں تھا جو انھیں کنگھی کر رہی تھی۔ انھوں نے اپنا سر پیچھے کرلیا تو حضرت عمر نے کہا: رہنے دو! اسے کنگھی کرنے دو۔ زید بن ثابت نے کہا: اے امیر المومنین! آپ مجھے پیغام بھیج دیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا: کام تو مجھے تھا، اس لیے میں خود آیا ہوں۔''

فائدہ: جس کو کام ہو اسی کو آنا چاہیے نہ کہ محتاج الیہ حاجت مند کے پاس جائے۔

باب: إذا تنخع وهو مع القوم

لوگوں میں بیٹھ کر بلغم تھوکنا

١٣٤٠ . عن أبي هريرة قال: إذا تنخع بين يدي القوم فليوار بكفيه حتى تقع نخامته إلى الأرض، وإذا صام فليدهن، لا يرى عليه أثر الصوم .

(ضعيف)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی آدمی لوگوں کے درمیان میں بیٹھ کر بلغم تھوکے تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے ڈھانپ کر زمین پر گرائے اور جب روزہ رکھے تو تیل استعمال کرے تاکہ اس پر روزے کے اثرات معلوم نہ ہوسکیں۔''

باب: إذا حدث الرجل القوم لا يقبل على واحد

کسی جماعت سے بات کرتے ہوئے کسی ایک آدمی کو مخاطب نہ بنایا جائے

١٣٤١ . عن حبيب بن أبي ثابت قال: كانوا يحبون إذا حدث الرجل أن لا يقبل على الرجل الواحد ولكن ليعمهم .

''حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ لوگ یہ بات پسند کرتے تھے کہ جب کوئی شخص گفتگو کرے تو ایک ہی شخص پر توجہ نہ کرے بلکہ سب کی طرف متوجہ رہے۔''

باب: فضول النظر

اِدھر اُدھر فضول دیکھنا

١٣٤٢ . عن ابن أبي الهذيل قال: عاد عبد الله رجلا ومعه رجل من أصحابه، فلما دخل الدار جعل صاحبه ينظر، فقال له عبد الله: والله لو تفقأت عيناك كان خيرا لك .

''ابوالہذیل سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ایک آدمی کی عیادت کو گئے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک اور بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کا ساتھی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تیری آنکھ پھوڑ دی جاتی تو یہ تیرے لیے بہتر تھا۔''

جــرعــات

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

مولانا رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو برصغیر میں علمِ حدیث کی ترویج اور عمل بالحدیث کا بانی سمجھتے اور منبع قرار دیتے تھے، اس خانۂ انوارِ نبوی علی صاحبها الصلاۃ والسلام سے مستنیر درس گاہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا مقام ایک شمع فروزاں کا تھا۔ عون المعبود شرح سنن ابی داود اور تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی علمِ حدیث کی اس شمع فروزاں کی وہ نورانی کرنیں تھیں جس نے برصغیر ہی نہیں مشرق وسطیٰ تک کے تشنگانِ علم الحدیث کو نہ صرف سیراب کیا بلکہ ان کے علم وفکر کو ایسی جلا بخشی کہ انھوں نے اس گلستانِ حدیث نبوی کا کھلے دل سے نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس سے مستفید ہونا بھی تسلیم کیا۔
اسی طرح والا جاہ سیّد نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ نشرِ علمِ حدیث، یعنی کتبِ حدیث کی اشاعت وطباعت کی بنا پر حضرت مولانا رحمہ اللہ کے لیے ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور دیکھا جائے تو ''المکتبۃ السلفیۃ'' کے قیام اور دارالدعوۃ السّلفیہ کی تاسیس کے پس منظر میں حضرت نواب صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت ہی کارفرما ہے اور یہ دونوں اشاعتی ادارے ان سے عقیدت ومحبت کا مظہر ہیں۔
درج ذیل اداریے میں مولانا رحمہ اللہ نے برصغیر کے علماء خصوصاً علماء وطلبائے علمِ حدیث کو احساس کمتری وکہتری سے نکال کر اپنے مقام کی پہچان محسوس کرانے کی کوشش کی ہے۔ اور علمائے ہند کی خدماتِ حدیث پر مشرق وسطیٰ کے کبار علمائے حدیث کے حقیقت پسندانہ اعتراف کے ساتھ ساتھ بعض کبار علمائے احناف کی وسعت ظرفی بھی نقل کر دی ہے جو انھوں نے علمِ حدیث کے بقاء واِحیا کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کی مساعی کو تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرمائی تھی۔ لیجیے! علمائے ہند کی حدیثی خدمات کے سمندر کو ایک کوزے میں ملاحظہ فرمائیے۔ (احمد شاکر)

سرورِ دو عالم ﷺ کی احادیث پاک کی جو روشنی اس وقت برصغیر ہندو پاک میں نظر آ رہی ہے اور یہاں کے ایوان ہائے علم وعمل ان کے چرچوں سے گونج رہے ہیں تو یہ سب نتیجہ ہے جماعت اہل حدیث کے ان نفوس قدسیہ کی مساعی، محنت، قربانی اور ایثار کا جن کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے لیے منتخب فرمایا اور تکوینا ان کے سپرد یہ خدمت کی گئی۔ انھوں نے علماً، عملاً، تصنیفاً، تدریساً اور تبلیغاً اس مقدس علم کی اشاعت کی جس سے سنن نبویہ کا اِحیا ہوا اور صدیوں کا وہ جمود ٹوٹا جس نے یہاں کے فقہاء، واعظین اور مدرسین کو ٹھس کر رکھا تھا۔
تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں یہ کام شروع ہوا اور چودھویں صدی ہجری کی پہلی چوتھائی میں اس آفتاب ضیا پاش کی روشنی نہ صرف دہلی، راجپوتانہ، یوپی، بہار، بنگال، جنوبی ہند، سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ، شمال مغربی سرحد اور پنجاب میں بلکہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک تک کے علمی حلقوں میں پہنچ گئی۔ ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ o تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾
اِحیائے سنت کی اس علمی اور اصلاحی تحریک کی قیادت دو مجددین وقت کر رہے تھے: شیخ الکل مولانا سیّد محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور والا جاہ امیر الملک مولانا سیّد محمد صدیق حسن خان صاحب قنوجی سربراہ ریاست بھوپال طاب الله ثراهما وجعل أعلى الجنة مثواهما.
مصر کے علامہ رشید رضا مرحوم ۱۳۵۳ھ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں

کہ جب وہ ۱۳۱۵ھ میں مصر پہنچے تو:

”وہاں کے خطباء، واعظین اور مدرسین کا یہ حال دیکھا کہ وہ اپنے خطبوں، وعظوں اور اسباق میں ایسی بے نشان روایتیں بیان کررہے ہیں جن میں ضعیف، منکر اور موضوع سب ہی قسم کی ہیں۔“ (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

اور سلسلۂ گفتگو میں یہ بھی لکھا:

”قد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل القرن الرابع العشر.“ (أيضاً)

”علم حدیث کی یہ کمزور حالت سب ہی مشرقی ملکوں شام، عراق اور حجاز وغیرہ میں دسویں صدی ہجری سے چلی آرہی ہے مگر چودھویں صدی کی ابتدا میں یہ ضعف انتہا کو پہنچ گیا۔“

اور کھلے دل سے اعتراف کیا ہے:

”ولولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من أمصار الشرق.“ (أيضاً)

”ہندوستان کے علمائے حدیث نے اس دور میں علومِ حدیث سے خوب اعتنا کیا۔ اگر وہ یہ نہ کرتے تو شاید یہ علم مشرق کے شہروں سے مٹ جاتا۔“

اس سے قبل ۱۳۴۷ھ میں مصر ہی کے ایک دوسرے اہل علم نے لکھا تھا:

”ولا يوجد في الشعوب الإسلامية من وفى الحديث قسطه من العناية في هذا العصر مثل إخواننا مسلمي الهند، أولئك الذين وجد بينهم حفاظ للسنة ودارسون لها على نحو ما كانت تدرس في القرن الثالث حرية في الفهم ونظر في الأسانيد.“ (مفتاح السنة للأستاذ عبد العزيز الخولي، ص: ١٦٩)

”ہمارے اس دور میں کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں نے علمِ حدیث کو اس کا حق نہیں دیا، سوائے ہندوستان (متحدہ) کے کہ وہاں جماعت اہل حدیث میں ایسے حفاظ ومدرسینِ حدیث موجود ہیں جو تیسری صدی ہجری کے طرز پر پابندیِ مذاہب سے آزاد درسِ حدیث دیتے اور حسبِ ضرورت نقد روایات سے بحث کرتے ہیں۔“

یہ طریقِ تدریس وتنقیدِ روایات تھا مولانا سیّد محمد نذیر حسین، علامہ شیخ حسین یمنی بھوپالی اور ان کے تلامذہ کرام ﷭ کا جس میں اجتہادی روح کارفرما تھی، اور مسائل میں روایات کی چھان بین محققانہ طور پر کی جاتی تھی۔ اور یہ وہی طریقہ ہے جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ صاحب کی حجة الله البالغة کا مبحث سابع اور امام شوکانی یمنی کی تصانیف ہیں جو بہ واسطہ نواب سیّد محمد صدیق حسن خاں ﷫ اس ملک (اب برصغیر) میں آئیں۔ استاد خولی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں:

”وإن أساس تلك النهضة في البلاد الهندية أفذاذ أجلاء تمخضت بهم العصور الحديثة وانتهجوا في تحصيل العلوم نهج السلف فنبه شأنهم وعلا أمرهم وذاع صيتهم فكان لها الأثر الصالح والسبق الواضح، ومن أشهر هؤلاء الأعلام ولي الله الدهلوي صاحب التصانيف أشهرها "حجة الله البالغه" والسيد صديق حسن خان ملك بهوبال صاحب التصانيف الكثيرة أيضا.“ انتهى ملخصا (أيضاً)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”وفي الهند الآن طائفة كبيرة تهتدي بالسنة في كل أمور الدين ولا تقلد أحداً من الفقهاء ولا المتكلمين وهي طائفة المحدثين.“ (أيضاً)

”اب بھی بڑی تعداد میں وہاں ایسی جماعت (اہل حدیث) موجود ہے جو زندگی کے سارے شعبوں میں حدیث شریف کو راہنما مانتی ہے۔ وہ نہ فقہیات میں کسی کی تقلید کرتے ہیں، نہ عقائد میں کسی کلامی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔“

اِحیائے علومِ حدیث کے سلسلے میں جماعت اہل حدیث کے ان تجدیدی کارناموں کا اظہار واِعلان مصری محققین ہی نے نہیں کیا، خود ہمارے ہاں کے بعض حنفی اہل قلم واصحابِ فکر نے بھی اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ مولانا مناظر احسن بہاری مرحوم ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

''اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحد) کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے۔ عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔''

(ماہنامہ برہان، دہلی، شمارہ:۲، جلد:۴۱۔ اگست ۱۹۵۸ء)

اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا ہوگا، اس لیے کہ چودھویں صدی ہجری کی اس آخری چوتھائی میں ''دستوری عنوان'' سے الحاد وبے دینی کا جو ریلا آرہا ہے اس کے سامنے ''جمودی فقہ'' نہیں ٹھہر سکے گی۔ اس کے لیے بند اگر باندھا جاسکتا ہے تو قرآن وحدیث کے اسی طریقِ تدریس وتحقیق سے جو اہل حدیث کا ہے جس میں جمود کو توڑنے کے ساتھ ساتھ ایجابی علاج بھی موجود ہے جو الحاد تک پہنچا دیتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تعبیرِ قرآن وحدیث میں اختلاف کی صورت میں معیارِ حق وصواب صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کا طریق ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے حجة الله البالغة (۱/۱۰۷ وغیرہ) میں اس کی تصریح کی ہے۔

اس سلسلے میں اس فاضل مصری مصنف نے یہ بھی لکھا ہے:

"طبعوا كثيرا من كتبها النفيسة التي كانت تذهب بها الإهمال وتقضي عليها غير الزمان ومن حسناته (السيد صديق حسن) طبع فتح الباري ونيل الأوطار وتفسير الحافظ ابن كثير، طبعت هذه على نفقته في المطبعة الأميرية بمصر فكانت من أنجح وسائل إحياء السنة." (مفتاح السنة، ص: ۱٦۹)

''اس جماعت نے حدیث کی ایسی نفیس اور بیش قیمت کتابوں کو طبع کرایا جو ضیاع کے خطرے سے دو چار ہو رہی تھیں۔ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے فتح الباری، نیل الاوطار اور تفسیر ابن کثیر کو اپنی طرف سے زر کثیر خرچ کر کے مصر میں طبع کرایا۔ اور یہ بلاشبہ عالمِ اسلام میں احیائے سنت کا کامیاب عامل اور سبب ہے۔''

مصر ہی کے ایک ناشر، جو بڑے جید عالم تھے اور جنھوں نے تفسیر روح المعانی، عینی شرح بخاری اور المحلی جیسی ضخیم وجلیل القدر کتابیں شائع کی ہیں؛ علامہ محمد منیر دمشقی مالک مطبعہ منیریہ، حضرت نواب محمد صدیق حسن خاں اور دوسرے علمائے حدیث (متحدہ) ہند کی تحریک اشاعتِ علومِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهي نهضة عظيمة أثرت على باقي البلاد الإسلامية فاقتدى بها غالب البلاد الإسلامية في طبع كتب الحديث والتفسير."

(أنموذج في الأعمال الخيرية، ص: ٤٦٨)

''یہ وہ عظیم الشان تحریک ہے جس نے دوسرے اسلامی ممالک پر بھی اثر ڈالا، چنانچہ بلادِ اسلامیہ میں ان کی اقتدا کرتے ہوئے حدیث وتفسیر کی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔''

اس کی مثال میں سنن دارمی، تلخیص الحبیر، بلوغ المرام، درایہ تخریج ہدایہ، الادب المفرد، تاریخ صغیر از امام بخاری، سبل السلام، منتقی الاخبار، شرح خمسین لابن رجب، سنن دارقطنی مع التعلیقات المغنی، الفیہ عراقی مع التعلیقات، فتح المغیث شرح الفیہ عراقی از حافظ سخاوی، حجۃ اللہ البالغہ، اللآلی المصنوعہ، قیام اللیل للمروزی، ذیل اللآلی، المعجم الصغیر طبرانی، المقاصد الحسنہ، الفوائد المجموعہ وغیرہا کو بہ طور مثال پیش کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کتابیں ہمارے ہی علماء نے طبع اور شائع کیں یا کرائیں جن میں سے بعض بتتبع ہندوستان اور مصر میں طبع ہوگئی ہیں لیکن بعض اب تک ہندوستان ہی کی مطبوعہ ہیں جن سے دنیا کے محققین استفادہ کررہے ہیں بلکہ فتح الباری جیسی ضخیم کتاب بھی نواب صاحب کے طبع کردہ مصری نسخے کے بعد اہل حدیث ہی کے مطبع انصاری، دہلی نے طبع کی تھی جو باریک خط کے تقریباً چار ہزار بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔

علامہ محمد منیر دمشقی أنموذج في الأعمال الخيريه میں ایک دوسرے مقام پر حضرت نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”كم له من أياد بيضاء في خدمة العلم والعلماء وإن جحد فضله الحاسدون وضعفاء العقول المتصنعون.“ (ص: ۳۸۸)

اور شروحِ سنن ابی داود کے تذکرے میں مولانا محمد شمس الحق رحمہ اللہ صاحب کی سنن ابی داود کی محققانہ ومحدثانہ شرح کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے بعد سنن ابی داود پر جس کسی نے بھی کچھ لکھا ہے اسی شارح کا تتبع کیا ہے:

”كل من جاء بعد من شيوخ الهند وغيره استمدوا من شرحه.“ (أنموذج، ص: ٦٢٧)

اور مولانا محمد شمس الحق تلمیذ رشید مولانا سیّد محمد نذیر حسین رحمہ اللہ کا تعارف ان لفظوں سے کرایا ہے:

”والمؤلف صاحب عقيدة صحيحة ومذهبه مذهب أهل حديث.“ (أيضاً)

سیّد صاحب مغفور کے ایک دوسرے فیض یافتہ مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ اور ان کی شرح ترمذی کے متعلق شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ مصری لکھتے ہیں:

”من كبار علماء الحديث بالهند وهو شرح نفيس جداً.“ (مقدمه تعليق ترمذی، ص: ۲۱)

یہ ہے بہت ہی مختصر تذکار ہمارے ماضی قریب کے علمائے حدیث کے ان زندہ وجاوید کارناموں کا جن سے ایک عالم نے فائدہ اٹھایا اور برابر اٹھا رہا ہے اور جس کا اعتراف اپنوں بیگانوں سب کو ہے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

اس داستان سرائی کا مقصد ”پدرم سلطان بود“ کا مصداق بننا نہیں ہے بلکہ اپنے اشغال واعمال کا جائزہ لینا ہے کہ اسلاف کے جانشین ان کے اخلاف ہوتے ہیں، ہم احساس کریں یا نہ کریں۔ جانشینی کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے کام کو آگے بڑھایا ہے؟ واقعات کا جواب یہ ہے کہ بڑھانا تو کجا اسے بھی جاری نہیں رکھ سکے۔ وجوہ اس کے کوئی بھی ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ربع صدی سے احیاء واشاعتِ علومِ حدیث کی نوعیت کا بنیادی کام تقریباً بند ہے۔ تحفۃ الاحوذی کی اشاعت کے بعد حدیث پاک کی کوئی ایسی ٹھوس خدمت نہیں ہو پائی جسے اس جماعت اور اس کی روایات کے شایانِ شان کہا جاسکے۔ درس وتدریس کا کام البتہ جاری ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے بھی امتیازی اوصاف میں اب کمی واقع ہوگئی ہے۔ ”جدت“ میں ڈھالنے کی طرف رجحان ضرور ہے لیکن خالص محدثانہ طریق سے بے اعتنائی سی ہے۔

لیکن اس سے بھی انکار مشکل ہے کہ پچھلی ربع صدی میں بہت سے داخلی اور خارجی فتنوں سے جماعت کو دوچار ہونا پڑا۔ جس سے عہدہ برآ ہونا اصلاحی مقاصد کے لیے ناگزیر تھا۔ یہی دور سیاسی ہنگاموں کا بھی رہا ہے۔ بھلا پھر جس جماعت کا اہم مقصدِ زندگی خلافت راشدہ جیسی حکومت کا قیام ہو وہ سیاسیات سے کیسے پہلوتہی کرسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی قسم کے حالات وواقعات میں ہمارے اکابر اور علمائے کرام ایسے الجھے کہ دوسرے تعمیری کاموں کی طرف توجہ نہ کرسکے۔ اگرچہ فرداً فرداً احساس سب کو رہا مگر مذکورہ بالاقسم کے کسی کام کے لیے کوئی اقدام نہ کیا جاسکا۔ ”وما تشاؤون إلا أن يشاء الله.“

ادھر چند سال ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے اہل حدیث نے اس انداز کی نئی کروٹ لی ہے اور کتبِ حدیث کی خدمت اور اشاعت کی طرف ان کی توجہ پلٹی ہے۔ انھوں نے اپنے اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش شروع کردی ہے جس کا پہلا مظہر صحاح ستہ کی کتاب سنن نسائي مع التعليقات السلفية اور مشكاة شریف کی سب سے بہتر شرح مرعاة المفاتيح کا طبع ہوکر شائع ہونا ہے جس پر آئندہ اشاعت میں مفصل اظہار خیال کیا جائے گا۔ إن شاء الله العزيز.

احکام ومسائل

رمضان المبارک......احکام ومسائل

محمد خالد سیف

رمضان المبارک رحمتوں، برکتوں اور نیکیوں کا موسمِ بہار ہے۔ اس ماہِ مبارک میں سرانجام دیا جانے والا سب سے اہم اور مخصوص عمل تو روزہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾

[البقرة: ۱۸۳]

''مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بنو۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر استوار کی گئی ہے:

۱: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

۲: نماز قائم کرنا۔

۳: زکاۃ ادا کرنا۔

۴: رمضان کے روزے رکھنا۔

۵: بیت اللہ کا حج کرنا۔

کتاب وسنت کے ان دلائل کی وجہ سے ساری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض اور اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہیں۔

یاد رہے کہ روزوں کی فرضیت کا حکم ۲ شعبان سن ۲ ہجری کو سوموار کے دن صادر ہوا تھا۔

فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لیے ہے لیکن (اس کے اعمال میں سے) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔'' (صحيح مسلم)

روزہ ایک ڈھال ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ فحش گفتگو نہ کرے، شور وغوغا نہ مچائے اور جہالت کی بات نہ کرے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم محمد ﷺ کی جان جس کے ہاتھ میں ہے، روزے دار کے منہ کی بُو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوش بو سے زیادہ پاکیزہ ہوگی۔

روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، جن سے وہ خوش ہوتا ہے: جب وہ افطار کرتا ہے تو اپنے افطار کرنے سے خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب کا دیدار کرے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے خوش ہوگا۔

(مسلم، نسائي، أحمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن روزِ قیامت بندے کی شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا: اے رب! میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور شہوتوں سے روکے رکھا، لہٰذا اِس کے بارے میری شفاعت قبول فرما لیں اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا، لہٰذا اِس کے بارے میں میری بھی شفاعت قبول فرما لیں، پس ان دونوں کی شفاعت کو شرفِ قبولیت سے نوازا جائے گا۔''

(مسند أحمد)

ماہِ رمضان کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا مہینا آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے پاس ایک مبارک مہینا آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض قرار دیے ہیں۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ اس میں شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو اُس کی خیر وبرکت سے حرماں نصیب رہا وہ بڑا ہی محروم ہے۔

(أحمد، نسائي، بيهقي)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔'' (أحمد وأصحابِ سنن)

یاد رہے کہ اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں کبیرہ گناہوں سے اجتناب صراحت سے موجود ہے۔

روزے کے ارکان:

روزے کے دو رکن ہیں:

۱: طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ان تمام اُمور سے رُک جانا جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾

[البقرة: ١٨٧]

''اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو چیز تمھارے لیے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ (صبح کی) سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔''

۲: روزے کا دوسرا رکن نیت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾

[البينة: ٥]

''اور ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما الأعمال بالنيات .)) (صحيح بخاري)

''تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہی ہے۔''

رمضان المبارک میں ہر دن کے روزے کی نیت فجر سے پہلے کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ نیت رات کے کسی حصے میں کرلی جائے تو بھی درست ہے۔ لیکن یاد رہے نیت کا تعلق دل سے ہے، زبان سے الفاظ ادا کرنے کو نیت نہیں کہتے۔ ہمارے ہاں روزے کی نیت کے لیے مروج درج ذیل الفاظ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں:

"وبصوم غد نويت من شهر رمضان ."

''اور میں رمضان کے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔''

اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اذانِ فجر سے چند سیکنڈ قبل جب یہ الفاظ نشر کیے جاتے ہیں اس وقت تو آدھا ''آج'' گزر چکا ہوتا ہے جب کہ آپ ''کل'' کے روزے کی نیت کر رہے ہوتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اربابِ انتظام سے گزارش ہے کہ براہِ کرم اس مسئلے پر فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر غور فرمائیں اور خدارا! لوگوں کے روزے خراب نہ کریں۔

روزہ کس پر واجب ہے؟

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ روزہ ہر مسلمان، عاقل، بالغ، تن درست اور مقیم پر فرض ہے۔ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ حیض اور نفاس سے پاک ہو۔

رخصت اور فدیہ:

حاملہ اور مرضعہ خواتین کو جب اپنے یا اپنے بچوں کے بارے میں

نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ بھی روزے نہ رکھیں بلکہ فدیہ ادا کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان کے لیے ان روزوں کی قضا بھی نہیں ہوگی۔ احناف، ابوعبیدہ اور ابوثور کے نزدیک حاملہ و مرضعہ خواتین کے لیے قضا ہے، فدیہ نہیں۔ جب کہ امام احمد اور شافعی رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ اگر صرف اپنے بچے کے نقصان کی وجہ سے روزہ نہ رکھیں تو ان کے ذمہ قضا اور فدیہ دونوں لازم ہیں اور اگر انھیں صرف اپنے آپ کو بھی اور بچے کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ان کے ذمہ صرف قضا ہوگی۔

رخصت اور قضا:

مسافر اور مریض کے لیے، رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا دے دیں، پس ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

[البقرة: ۱۸۵]

''اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کی گنتی پوری کر لے۔''

سحری کا اہتمام:

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے اور اگر کوئی نہ کھائے تو اسے گناہ نہیں ہوگا، البتہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو سحری کی ترغیب ضرور دی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سحری کھایا کرو کیوں کہ سحری کھانا باعثِ برکت ہے۔''

(بخاري و مسلم)

اس بارے میں اور بھی کئی احادیث مبارکہ ہیں۔ سحری کے بابرکت ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس سے روزے دار کو قوت و طاقت حاصل ہو کر روزے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ **واللہ اعلم**

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کی اطاعت بجالاتے ہوئے سحری کے لیے تھوڑا بہت کھانا ضرور کھانا چاہیے۔ کسی وجہ سے اگر کھانا کھانے کو جی نہ چاہے تو پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لینا چاہیے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سحری کھانا باعثِ برکت ہے، اسے نہ چھوڑو، خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو، بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔'' (مسند أحمد)

افطاری میں جلدی:

جب سورج غروب ہو جائے تو روزہ فوراً افطار کر دینا چاہیے، نبی ﷺ نے فرمایا:

''لوگ اس وقت تک ہمیشہ خیر و بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک (روزہ) جلد افطار کرتے رہیں گے۔''

(بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کا معمول:

افطاری کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے معمول کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز (مغرب) ادا کرنے سے قبل تازہ کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار فرمایا کرتے تھے، اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں کے ساتھ افطار فرماتے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے تھے۔ (أبو داود، ترمذي، حاكم)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی نے روزہ رکھا ہو تو اسے کھجور کے ساتھ افطار کرنا چاہیے، اگر کھجور نہ ہو تو پانی کے ساتھ کیوں کہ پانی بھی پاک ہے۔'' (ترمذی)

افطاری کے وقت دعا:

افطاری کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے، لہٰذا اِس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی کے لیے خوب خوب دعائیں کرنی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''روزے دار کی افطار کے وقت دعا رد نہیں ہوتی۔''

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ

وہ افطار کے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اللهم إني أسئلك برحمتك التي وسعت كل شيء أن تغفرلي ." (ابن ماجه)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت بے پایاں کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں جو ہر چیز کو شامل ہے کہ تو مجھے معاف فرمادے۔''

افطاری کی دعا:

"اللهم لك صمت وعلى رزقك أفطرت ."

''اے اللہ! میں نے تیری ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی عطا کردہ رزق پر افطار کررہا ہوں۔'' (أبوداود)

"ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله ." (أبوداود)

''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر بھی ان شاء اللہ ثابت ہوگیا۔''

روزہ اور تقویٰ:

روزہ ایک اہم عبادت اور تقربِ الٰہی کے حصول کا بہترین طریقہ ہے۔ روزوں کو اللہ نے اپنے بندوں پر اس لیے فرض قرار دیا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے نفس کی تہذیب وتزکیہ کریں اور اپنے آپ کو نیکی وتقوے کا خوگر بنائیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

[البقرة: ۱۸۳]

''مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بنو۔''

روزہ محض کھانا پینا چھوڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ کھانے، پینے اور ان تمام امور کو ترک کردینے کا نام ہے جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو منع فرمایا ہے، لہٰذا روزے دار کو چاہیے کہ وہ ایسے تمام امور سے اجتناب کرے جو اس کے روزے کو نقصان پہنچانے کا باعث بنیں۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص جھوٹی بات اور اس کے مطابق عمل کو ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے روزے کو قبول نہیں فرماتے جیسا کہ نسائی، ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنھیں اپنے روزوں سے بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے قیام کرنے والے ایسے ہیں جنھیں اپنے قیام سے سوائے بیداری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

سخاوت وتلاوت:

سخاوت اور قرآنِ مجید کی تلاوت یوں تو ہر وقت ہی بہت مستحسن عمل ہے لیکن سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں ان دونوں کاموں کا بہ طور خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ آپ ﷺ زیادہ سخاوت کا مظاہرہ اس وقت فرماتے جب رمضان میں جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آتے اور جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات آپ ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآنِ مجید کا دور کرتے تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کی رفتار تیز آندھی سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ (بخاري)

مباحاتِ روزہ:

روزے کی حالت میں مسواک کرنا، نہانا دھونا، آنکھوں میں سرمہ لگانا اور خوش بُو استعمال کرنا جائز ہے۔

روزے کو باطل کرنے والے امور:

❀ قصد وارادے کے ساتھ کھانے پینے سے روزہ باطل ہوجاتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لے تو اس صورت میں نہ روزہ باطل ہوتا ہے اور نہ ہی قضا یا کفارہ لازم آتا ہے۔

❀ قصداً قے کرنے سے بھی روزہ باطل ہوجاتا ہے۔اگرکسی کو غیر اختیاری طور پر قے آجائے تو اس سے روزہ باطل نہیں ہوتا اور کسی قسم کی قضایا کفارہ بھی لازم نہیں ہوتا۔

❀ اگرکسی عورت کو روزے کے دوران،خواہ غروبِ آفتاب سے چند منٹ قبل،حیض یا نفاس شروع ہوجائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اوراس کے ذمہ اس کی قضا ہوگی۔

❀ ازدواجی تعلق قائم کرنے سے روزہ باطل ہوجاتا ہے اور اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

لیلۃ القدر:

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے جو ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔اسی رات کے اجر وثواب اور فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں خاص اہتمام فرماتے،رات کو بیدار رہتے،گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے اور (عبادت وریاضت کے لیے) کمر باندھ لیتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں لیلۃ القدر میں کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا مانگو:

"اللهم إنك عفو تحب العفو فاعف عني." (ترمذی)

"اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے،تُو معاف کردینے کو پسند فرماتا ہے،لہٰذا مجھے بھی معاف فرما۔"

اعتکاف:

آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے،جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔(بخاري، أبوداود، ابن ماجه)

جو رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنا چاہے اسے رمضان کی بیس تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہوجانا چاہیے کیوں کہ اکیسویں رات آخری عشرے کی پہلی رات ہوتی ہے۔اور حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر ادا فرمانے کے بعد معتکف (خیمۂ اعتکاف) میں تشریف لے جایا کرتے تھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اعتکاف کے لیے مسجد میں آپ رات کے ابتدائی حصے میں ہی داخل ہوا کرتے تھے لیکن معتکف (خیمۂ اعتکاف) میں نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد داخل ہوا کرتے تھے،واللہ اعلم.

اعتکاف سے باہر آنے کا وقت رمضان کے آخری دن غروبِ آفتاب کے بعد ہے،البتہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ رات مسجد ہی میں بسر کرے اور پھر وہاں سے نمازِ عید کے لیے جائے۔

معتکف کے لیے مستحب ہے کہ وہ کثرت سے نوافل پڑھے، قرآنِ مجید کی تلاوت کرے،تسبیح وتحمید،تہلیل وتکبیر،توبہ واستغفار اور درود شریف بھی کثرت سے پڑھے۔

معتکف بہ وقت ضرورت معتکف سے باہر نکل سکتا ہے۔بالوں میں کنگھی کرنے،ناخن کاٹنے،غسل کرنے،اچھے کپڑے پہننے اور خوش بُو لگانے کی بھی اعتکاف میں ممانعت نہیں ہے،البتہ بلاضرورت قصد وارادے کے ساتھ مسجد سے نکلنے سے اعتکاف باطل ہوجاتا ہے،خواہ تھوڑے وقت ہی کے لیے کیوں نہ نکلے۔

رمضان المبارک کے دن تقوے کے دن اور راتیں تزکیے کی راتیں ہیں۔ان مبارک دنوں اور راتوں،صبحوں اور شاموں کو ذکر وفکر الٰہی اور تقرب خداوندی کے حصول کے لیے صرف کرنا چاہیے۔

اللہ رب ذوالجلال والاکرام ہمیں رمضان المبارک کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی زیادہ توفیق عطا فرمائے۔اس ماہ مقدس میں برسنے والے انوار وتجلیات سے ہم سیاہ کاروں کے دلوں میں بھی کرن کرن اجالا فرمادے،آمین یارب العالمین!

حصولِ علم میں تقوے کا کردار

موہب الرحیم

یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی تباہی دو باتوں سے ہے: شہوات سے اور شبہات سے۔ شہوات کے مقابلے میں صبر ہے اور شبہات کے مقابلے میں یقین۔ شہوات سے صبر کے ذریعے بچا جاتا ہے اور یقین کے ساتھ شبہات کا دفاع کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ٥﴾ [السجدة: ٢٤]

''اور بنائے ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا جو ہمارے حکم پر انھیں ہدایت کرتے ہیں جب انھوں نے صبر سے کام لیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بالصبر واليقين تنال الإمامة في الدين."

''صبر اور یقین سے امامت فی الدین حاصل ہوتی ہے۔''

ابن القیم رحمہ اللہ مدارج السالکین میں کہتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے سنا:

"إذا تزوج الصبر باليقين ولد بينهم الإمامة في الدين."

''جب صبر اور یقین مل جائیں تو امامت فی الدین جنم لیتی ہے۔''

یہ صبر اور یقین جامع صفات ہیں جن میں گناہوں سے بچنا اور حق پر پختگی سے جمے رہنا شامل ہے۔ گناہ انسان میں شبہات کو پیدا ہونے اور مضبوط ہونے کا موقع دیتے ہیں اور جب کوئی شبہ دین کے معاملے میں پیدا ہوجائے تو اس کا ازالہ علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور علم کو حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کرنی پڑتی ہے، وقت صرف ہوتا ہے۔ اور جو انسان خواہشات کا بندہ ہے اس کو یہ فرصت کہاں! اس سے بات زیادہ واضح ہوجاتی ہے کہ گناہ سے جہاں فسادِ عملی پیدا ہوتا ہے وہاں فسادِ علمی بھی پیدا ہوتا ہے، یعنی علم حاصل کرنے والی قوت میں بگاڑ آ جاتا ہے۔ فسادِ عملی عمل میں بگاڑ ہے، فسادِ علمی علم میں بگاڑ ہے۔ فسادِ عملی اتباعِ شہوات ہے اور فسادِ علمی شبہات کا زور ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ بات کئی جگہ بیان ہوئی ہے:

﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ٥﴾ [الأنفال: ٢٣]

''اگر ان میں اللہ کوئی خیر جانتا تو ان کو بات کی سمجھ عطا کر دیتا اور اگر اللہ ان کو بات سنا دیتا تو وہ اِعراض کرتے ہوئے پھر جاتے۔''

"سمع" قرآنِ مجید میں تین معانی میں وارد ہوا ہے:

① ...... آواز کو پانا۔ یہاں یہ مراد نہیں ہے کیوں کہ اس کے بغیر حجت پوری نہیں ہوتی، جاہل معذور ہوتا ہے۔

② ...... تفہیم، یعنی بات کی سمجھ آ جانا۔

③ ...... قبول، جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے۔

اس آیت سے پتا چلا کہ آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں فسادِ عملی اور علمی دونوں موجود تھے۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام کی قوم ان کو کہتی تھی:

﴿يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ [هود: ٩١]

''اے شعیب! جو تو کہتا ہے اکثر ہم سمجھ نہیں پاتے۔''

﴿وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ [البقرة: ٨٨]

''اور انھوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے۔''

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ﴾ [فصلت: ٥]

’’اور انھوں نے کہا کہ ہمارے دل پردے میں ان باتوں سے جن کی طرف تُو ہمیں بلاتا ہے۔‘‘

﴿وَ مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَo وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَo﴾

[الأنعام: ۱۰۹، ۱۱۰]

’’اور تمھیں کیا چیز معلوم کرواتی ہے کہ بے شک جب وہ (نشانیاں) آئیں گی تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے، جیسے وہ اس پر پہلی بار ایمان نہیں لائے اور انھیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔‘‘

اور اس جیسی دوسری آیات میں یہ بات بالکل واضح ہے۔

اور معلوم ہے کہ مسائل کو سمجھنے کے لیے علمی استعداد کی ضرورت ہوتی ہے، بالخصوص دقیق مسائل کو سمجھنے کے لیے۔ اور یہ استعداد گناہوں سے برباد ہوجاتی ہے، اس لیے دین میں شبہات سے بچنے کے لیے اور دین میں فہم پیدا کرنے کے لیے گناہوں سے بچنا بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ [الأنفال: ۲۹]

’’اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈر جاؤ گے تو اللہ تمھارے لیے فرقان بنا دے گا۔‘‘

فرقان حق و باطل میں تمیز کرنے والی چیز ہے، اسی لیے قرآن کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرقان کہا ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًاo﴾ [الفرقان: ۱]

اور اپنی کتاب میں بدر کے دن کو یوم الفرقان کہا ہے کیوں کہ اس دن حق و باطل واضح ہوگیا تھا۔ مقصود یہ ہے کہ تقوے سے حق و باطل میں تمیز کرنے والی چیز حاصل ہوتی ہے۔ اور تقویٰ دل اور جوارح کا عمل ہے، اس کا مطلب ہے کہ فرقان کے حصول کے لیے دل اور جوارح اللہ کے خوب تابع ہونے چاہئیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲]

’’جو اللہ سے ڈر جائے اللہ اس کے لیے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے۔‘‘

بعض سلف کہتے ہیں:

”من كل ما ضاق على الناس.“

’’ہر اُس چیز سے جو لوگوں پر تنگ ہو۔‘‘

اور مسائل کی مشکلات بھی اس میں شامل ہیں، جیسے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [الطلاق: ٤]

’’اور جو اللہ سے ڈر گیا اللہ اس کے لیے اس کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دے گا۔‘‘

اسی طرح سورۂ حج میں ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍo وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ﴾ [الحج: ۵۲-۵٤]

’’شیطان نبی کی بات میں اپنی بات ڈالنے کی کوشش کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے اِلقا کو زائل کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور شیطان کا اِلقا جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں ان کے لیے فتنہ بن جاتا ہے اور ظالم بہت دور کی بدبختی میں ہیں۔ اور علم دیے گئے لوگ جان لیتے ہیں کہ یہ ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے تو وہ اس کے ساتھ ایمان لے آتے ہیں اور ان کے دل اس کے تابع ہوجاتے ہیں۔‘‘

قرآنِ مجید میں ﴿اوتوا العلم﴾ سے مراد باعمل لوگ ہیں جیسے فرمایا:

☆......﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝﴾

[بني إسرائيل: ۱۰۷، ۱۰۸]

☆......﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ [آلِ عمران: ۱۸]

☆......﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنكبوت: ٤٩]

☆......﴿وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾

[سبا: ٦]

☆......﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [المجادلة: ۱۱]

ان آیات میں ﴿اوتوا العلم﴾ یعنی علم دیے گئے لوگ مدح وستائش کی جگہ میں بیان ہوئے ہیں اور ایسا علم جو اللہ سے نہیں ڈراتا وہ ستائش وتعریف کے قابل نہیں ہے، لہٰذا آیات میں ﴿اوتوا العلم﴾ سے مراد باعمل عالم ہیں جو ہر دم اللہ کا ڈر اور خوف اپنے دل میں بسائے رکھتے ہیں۔

نماز میں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [الفاتحة: ٦]

''اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔''

اور ظاہر ہے کہ متقی زیادہ لائق ہے کہ اللہ اس کی دعا کو قبول کرے اور اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

[الحج: ٥٤]

''یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔''

اور ایمان تقوے کا نام ہے جیسا قرآن میں ہے:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ﴾ [الفتح: ۲٦]

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔

قرآنِ مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ [آلِ عمران: ۱۰۱]

''جو اللہ کو مضبوطی سے تھام لے وہ یقیناً سیدھے راستے کی ہدایت دے دیا گیا۔''

سورۂ اعراف میں ہے:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾ [الأعراف: ١٤٦]

''عن قریب میں اپنی آیات کو ان سے پھیر دوں گا جو زمین میں تکبر کرتے ہیں بغیر حق کے اور اگر کوئی نشانی دیکھیں تو ایمان نہیں لاتے اور اگر بھلائی کا راستہ دیکھ لیں تو اختیار نہیں کرتے اور اگر سرکشی کا راستہ دیکھیں تو اس کو پکڑ لیتے ہیں۔''

سفیان بن عیینہ وغیرہ سے منقول ہے کہ آیت بالا میں مذکور ﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ﴾ سے مراد ہے:

"سأصرف عنهم فهم القرآن."

''میں قرآن کا فہم ان سے چھین لوں گا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ [النور: ٥٤]

''اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔''

اور معلوم ہے کہ نبی علیہ السلام نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

((اتق الله حيثما كنت.))

''تو جہاں کہیں بھی ہو تقوے کو اختیار کر۔''

صحابہ کرام میں تقویٰ انتہا درجے کا موجود تھا، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی اجتہادی خطائیں بعد والوں کی غلطیوں سے بہت چھوٹی ہیں۔

ابوبکر المروزی، جو امام احمد کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں: امام احمد بن حنبل جب مونگی والی بیماری میں تھے تو ان کے ساتھی کہنے لگے: اللہ سے دعا کریں کہ آپ کے بعد اللہ ہم پر خلافت کو اچھا کرے۔ اس کے بعد ان کے ساتھی کہنے لگے: "من نسأل بعدك؟" ''آپ کے بعد ہم کس سے سوال کریں؟'' احمد بن حنبل نے جواب دیا: "سلو عبد الوهاب." ''عبدالوہاب الوراق سے سوال کرو۔'' بعض ساتھی کہنے لگے کہ ان کے علم میں اتنی وسعت نہیں ہے۔ امام احمد نے فرمایا:

"إنه رجل صالح، مثله يوفق لإصابة الحق."

''وہ نیک آدمی ہے، اس جیسے آدمی کو ہی حق تک پہنچنے کی توفیق دی جاتی ہے۔''

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ راقم کو اور دوسرے طلباء کو عمل صالح اور علم نافع عطا کرے اور خلوت وجلوت میں اپنا تقویٰ عطا فرمائے، آمین۔

وصلى الله تعالى على محمد وآله وسلم عليه تسليما كثيرا والحمد لله ربّ العالمين.

آہ! بزم علم وادب کا ایک اور چراغ بجھ گیا

مولانا عبدالحکیم مجازؔ اعظمی کی یاد میں

مولانا محمد الاعظمی

بہت سال پہلے کی بات ہے کہ مجازؔ اعظمی صاحب ''ترجمان'' (دہلی) کے منصب ادارت پر فائز تھے۔ ان کا نام عبدالحکیم اور مجازؔ تخلص تھا۔ وہ مئوناتھ بھنجن کے رہنے والے تھے جہاں اہل حدیث حضرات کے کئی مدارس بھی طویل مدت سے جاری ہیں اور اس مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ پہلے یہ شہر ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع اعظم گڑھ میں شامل تھا، اس لیے وہاں کے شعراء اور بہت سے علماء اعظمی کہلاتے تھے۔ اب یہ خود ضلع ہے۔ مولانا عبدالحکیم مجازؔ اعظمی کا شمار اس نواح کے مشہور شاعروں اور ادیبوں میں ہوتا تھا۔ وہ دہلی کے دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ اور وہاں انھوں نے جن اساتذہ گرامی سے حصولِ علم کیا ان میں حضرت مولانا عبیداللہ مبارک پوری رحمانی کا نام نامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ جس زمانے میں وہ ''ترجمان'' کے مدیر تھے میں اس وقت ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی خدمتِ ادارت انجام دینے پر مامور تھا اور ان سے میری خط کتابت رہتی تھی، پھر ایک وقت آیا کہ میں ''الاعتصام'' کی ادارت سے الگ ہو کر ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلا گیا اور تصنیف وتالیف کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ مجازؔ اعظمی صاحب بھی ''ترجمان'' کی ادارت سے علاحدہ ہوگئے لیکن وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ تقریباً چار مہینے پہلے وہ مجھے بہت یاد آئے۔ میں نے دہلی ایک دوست کو ٹیلی فون کیا اور ان کے متعلق پوچھا تو پتا چلا کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۲۴؍دسمبر ۲۰۱۱ء ہے۔ اب افسوس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

۱۵؍مئی ۲۰۱۲ء کو شب کے دس بجے مجھے مئوناتھ بھنجن سے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ اپنا ای میل باکس دیکھیے، میں نے دیکھا تو مولانا مجازؔ اعظمی کے متعلق مجھے دو مضمون ملے: ایک مولانا محمد الاعظمی کا تحریر فرمودہ اور ایک جناب اطہر افضال (نئی دہلی) کا۔ یہ دونوں مضمون ''الاعتصام'' کے لائق احترام قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔ پہلے مولانا محمد الاعظمی کا مضمون پڑھیے۔ بعد ازاں جناب اطہر افضال کے افکارِ عالیہ کا مطالعہ کیجیے گا جو آئندہ شمارے میں شامل اشاعت ہوں گے۔ میں اس مرحوم کا تذکرہ ان شاء اللہ اپنی زیر تصنیف کتاب ''چمنستان حدیث'' میں کروں گا۔ (محمد اسحاق بھٹی)

مولانا مجازؔ اعظمی کی رحلت کو چھ ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، اب تک ان کے قریب وبعید کے تمام احباب، تلامذہ اور اہل صحافت، خاص طور پر دنیائے شعر وادب میں ان کی وفات حسرت آیات کی اندوہ ناک خبر مشتہر ہو چکی ہے مگر افسوس کسی طرف سے ''إنا بفراقك لمحزونون'' کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی، سوائے ماہنامہ ''التبیان'' دہلی کے جس نے ''الصبر عند الصدمة الأولى'' کی تلقین کرتے ہوئے حزن وملال کے ساتھ تعزیتی حق ادا کرنے اور مجازؔ صاحب کی سرگزشت حیات کو زیبِ قرطاس بنانے میں سبقت کی ہے۔ جزاه الله أحسن الجزاء

اس معاملے میں راقم سے کوتاہی کسی سے کم نہیں رہی لیکن جب

لکھنے کا ارادہ ہوا قلم نے ساتھ نہیں دیا۔ معذوری کا حال یہ ہے کہ تقریباً دو سال سے نوشت وخواند سے رشتہ چھوٹ چکا ہے۔ کسی کام کی طرف رجحان بلکہ میلان نے بھی منھ موڑ لیا ہے۔ جب سے رفقاء اور معاصرین ایک ایک کرکے اپنی حیات دنیوی سے رشتہ توڑتے جارہے ہیں، تنہائی کا غم کچوکے لگاتا رہتا ہے اور کام سے بے رغبتی کی دھند دل ودماغ پر چھائی رہتی ہے۔ مولانا مجازؔ صاحب کی وفات میرے لیے جس رنج والم کا باعث ہوئی ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہوں، محض اس لیے نہیں کہ وہ ایک معروف عالم اور ماہر علوم وفنون تھے بلکہ وہ میرے مخلص ومحسن، مربی اور کرم فرما تھے۔ ہم دونوں کی علمی رفاقت اور ہم مدرسہ ہونے کے ساتھ ساتھ گھریلو قسم کا ایک رشتہ یہ بھی تھا کہ ہم دونوں کی بیویاں خالہ زادیاں اور سہیلیاں تھیں۔

مولانا مجازؔ صاحب سے شناسائی مدرسہ عالیہ عربیہ (مئو) کے زمانۂ طالب علمی سے ہوئی۔ ہم لوگ، یعنی راقم اور مولانا مختار احمد ندوی وغیرہ درجہ فارسی کے اور مولانا مجازؔ اور مولانا حکیم عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہما عربی درجہ دوم کے طلباء تھے۔ یہ دونوں ساتھی دوسری جماعت کی تکمیل کے بعد مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) کی تیسری جماعت میں داخل ہوئے۔ حکیم صاحب چھٹی جماعت کے درمیان سال میں عمر آباد چلے گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی، البتہ مولانا مجازؔ صاحب نے مدرسہ رحمانیہ (دہلی) ہی میں تعلیم مکمل کی اور رحمانی کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ جب ۱۹۴۶ء میں راقم مدرسہ رحمانیہ (دہلی) پڑھنے گیا تو اس میں مئو کے صرف مجازؔ صاحب زیر تعلیم تھے۔ ابتدا میں ہم دونوں کے اقامتی کمرے الگ الگ تھے۔ مجھے بخار وغیرہ لاحق ہوا تو مجازؔ صاحب کے کمرے میں منتقل ہوگیا، کچھ عرصہ افاقہ رہا، لیکن پہلی سہ ماہی کے بعد مرض نے مجھے اپنا مسکن بنا لیا۔ دوا علاج کے لیے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے یہاں لے جانا، دوائیں کوٹ پیس کر استعمال کرانا اور پرہیزی غذا کا انتظام کرنا یہ ساری خدمات صرف مجازؔ صاحب والدین کی طرح انجام دے رہے تھے۔ یہ سلسلہ غالباً دو تین ماہ تک چلتا رہا۔ ان مخلصانہ احسانات کو یاد کرکے اپنی بدنصیبی پر رونا آتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا کوئی مخلصانہ سلوک کرنے سے محروم رہا، اس ناقابل تلافی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ رب رحیم ان کے احسانات کا بہتر سے بہتر صلہ چند در چند عطا فرما۔

مولانا مجازؔ صاحب کی ذہانت، فطانت اور ذکاوت غیر معمولی تھی۔ علم وادب کی ہر پُر خار وادی ہموار کرنے کی قدرتی صلاحیت کے مالک تھے۔ طالب علمانہ زندگی ہی سے علمی حلقوں میں اپنی پہچان بنا چکے تھے۔ اپنے کلامِ منثور ومنظوم، جو دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے رسالہ ''محدث'' اور دیگر جرائد میں شائع ہوا کرتے تھے، کی وجہ سے صحافتی اور ادبی دنیا میں اس قدر متعارف ہوگئے تھے کہ تعارف کے تکلف سے مستغنی تھے۔

طالب علمی دور کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو کہ ۱۹۴۶ء میں جامعہ ملیہ کی عظیم الشان پچیس سالہ جوبلی منعقد ہوئی تھی، اس میں شرکت کے لیے ہم لوگ پہنچے تو مجازؔ صاحب سے ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) اس تپاک سے ملے جیسے ان کے قدیم شناسا اور قدر داں ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اقامت اور ضیافت کی پیش کش کی لیکن مجازؔ صاحب کی خودداری نے معذرت کردی۔ اس جوبلی کی خاص شان یہ تھی کہ اس کے ایک اجلاس میں متحدہ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈران، دانش وران اور اساطینِ علم وفن جیسے جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر جناح وغیرہ کی ایک تعداد شریک ہوئی تھی۔

مجازؔ صاحب مدرسہ رحمانیہ دہلی سے فراغت کے فوراً بعد مدرسہ عالیہ عربیہ (مئو) میں تدریسی خدمت پر مامور ہوگئے مگر افسوس دو سال کے بعد ہی سبک دوشی کا سامنا کرنا پڑا۔ تقریباً دو سال تک اپنے آبائی پیشے سے منسلک رہے۔ علمی ذوق کو غذا پہنچانے کے لیے مرکز علوم وفنون دہلی کی حیات نو اور تعمیر جدید کا انتظار تھا کیوں کہ تقسیم ہند کے شدید ردعمل نے مسلمانان دہلی کو ہمہ جہت تباہی سے ہم کنار کردیا تھا۔ مساجد، مدارس، علمی ادارے اور مذہبی جمعیتیں وتنظیمیں سب درہم برہم ہوگئی تھیں، الا ماشاء اللہ۔ مولانا مجازؔ صاحب کے عزم عمل کو یہ

تاریخی حقیقت حوصلہ دے رہی تھی کہ دلی بار بار اجڑی اور بسی، چنانچہ وہ وقت منتظر قریب آ تا گیا، تقسیم کا طوفانِ بلا خیز رفتہ رفتہ تھمنا شروع ہوا، باقیات میں نئی زندگی کے آثار رونما ہونے لگے تو پھر علمی اداروں کے اِحیا اور ملی سرگرمیوں کی تجدید کے لیے حرکت وعمل کا بند دروازہ کھلنا شروع ہوا۔ اب ضرورت پیش آئی رجال کار کی۔ تقسیم ملک کی وجہ سے جمعیت اہل حدیث ہند کا شیرازہ بالکل ہی بکھر گیا تھا۔ اس کے اساطین اپنے آباء واَجداد کے زمانے ہی سے ان مقامات کے رہائشی تھے جو تقسیم کے بعد پاکستان کا حصہ ہوگئے۔ مشرقی پنجاب کی باقی ماندہ بزرگ ہستیاں اور سب لٹے پٹے مسلمان خاک وخون سے کھیلتے ہوئے ترک وطن کر گئے۔

اس قحط الرجال اور قحط المدارس کے دور میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہفتہ وار اخبار ''اہل حدیث'' کے اِحیا واِجرا کا بارِگراں بقیۃ السلف مولانا تقریظ احمد سہسوانی رحمہ اللہ نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور ہمت وعزیمت کے ساتھ جماعت اہل حدیث کو ایک پندرہ روزہ آرگن جاری کر کے جماعتی حیاتِ نَو کا پیغام دیا۔ موصوف تنظیمی اور تدریسی خدمت بھی سنبھالے ہوئے تھے، اس لیے معاونت کے لیے مولانا عبدالحکیم مجازؔ اعظمی کو اخبار اہل حدیث کی ادارت میں شریک کار بنایا۔ مجازؔ صاحب نے اس کے معیار صحافت کو ترقی دینے کے ساتھ اپنے ذوقِ صحافت کو غذا پہنچائی، اس طرح ان کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔

پھر مولانا سہسوانی اور چند بزرگ علماء ومشائخ کی جہود مشکورہ سے جمعیت اہل حدیث ہند کی ہنگامی تشکیلِ نَو عمل میں آئی۔ غالباً ۱۹۵۳ء میں جماعت کی ترجمانی کے لیے ''ترجمان'' کے نام سے ایک جریدہ شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس کی ادارت کے لیے جس صحافی کا انتخاب ہوا وہ تھے مولانا عبدالحکیم مجازؔ اعظمی جو جریدہ ''ترجمان'' کے اولین نوجوان مدیر تھے۔ ان کے پنج سالہ دورِ ادارت میں جریدہ ''ترجمان'' اس وقت کے معیاری جرائد میں شامل ہوگیا۔ اس کی معنویت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آج بھی ان کے دورِ ادارت کے ''ترجمان'' کی فائلوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب سعودی عرب کے فرماں روا شاہ سعود بن عبدالعزیز ہندوستان کے دورے پر آئے تھے تو مجازؔ صاحب نے ''ترجمان'' کا ایک ضخیم استقبالیہ نمبر تیار کر کے شائع کیا تھا۔ اس میں معروف اہل قلم کی نگارشات کے علاوہ خود مجازؔ صاحب نے اردو، فارسی اور عربی میں اپنے زورِ قلم کے خوب جوہر دکھائے تھے۔ شاہ سعود کی شان میں فارسی میں جو فصیح وبلیغ قصیدہ مدحیہ لکھا تھا اس پر ہر طرف سے ان کو داد وتحسین دی گئی تھی۔

یہ فانی دنیا مظہرِ انقلابات ہے۔ مجازؔ صاحب کی علمی وعملی زندگی میں متواتر مدو جزر آتے رہے لیکن کبھی علمی وقار کو داؤ پر نہیں لگایا۔ ''ترجمان'' کی ادارت سے اچانک محروم کردیے گئے۔ اس سلطان القلم کو سلطان الامر نے اپنی اَنا کی بھینٹ چڑھا دیا، مجازؔ صاحب اس ناگہانی افتاد پر صبر وضبط سے خاموش رہے لیکن ان کی معتبر صحافت وادبیت نے صحافتی وادبی دنیا کو خاموش نہیں بیٹھنے دیا، فوراً اس معاملے کو عدالت میں چیلنج کیا گیا، مجازؔ صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا اور ہرجانے میں تین ماہ کی تنخواہ دلائی گئی۔

دوسرا المیہ یہ پیش آیا کہ ترجمان کی ادارت متروک ہونے کے بعد دہلی کے بعض پبلشروں نے ان سے با معاوضہ کتابیں تالیف کرائیں لیکن ان کو مجازؔ صاحب کے نام کے بجائے بڑی شخصیات کے نام سے شائع کیا۔

اس ناگوار سلوک کے باوجود مجازؔ صاحب کی بلند اخلاقی دیکھیے کہ ایک مرتبہ ان کے مخالف ایک عالم دین کسی ضرورت سے مئوتشریف لائے تو جامعہ عالیہ عربیہ میں بھی آئے۔ مولانا مجازؔ صاحب نے نہایت پرتپاک طریقے سے ان کا استقبال فرمایا اور آفس میں انھیں اپنے پاس بٹھائے رکھا، خاطر تواضع کرتے رہے، پھر بہ وقت طعام اپنی جیب خاص سے پُرتکلف کھانا منگوا کر ان کی ضیافت فرمائی۔ بعض ذمہ داران جامعہ نے کانفرنس میں ناخوش گوار سلوک کے حوالے سے ناگواری کا اظہار کیا تو مجازؔ صاحب نے ان کو جھڑک دیا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مجاز اعظمی کو علم وفن کی نعمت سے خوب نوازا تھا لیکن تقریباً ان کی ساری زندگی آزمائشوں سے عبارت رہی۔ کم عمری میں ایسی زبردست چیچک کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے تھے کہ جاں بر ہونے کی امید کم تھی، اس کے نشانات آخر عمر تک کسی قدر باقی تھے۔ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ (دہلی) سے فراغت کے بعد شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور بیٹیوں سے نوازا لیکن بچپن ہی میں پے بہ پے سب بچے داغِ مفارقت دے گئے۔ صرف ایک لڑکی کو حیات ملی، جو اب دادی اور نانی کے منصب پر فائز ہیں، سلمها الله تعالى وبارك في عمرها.

مجاز صاحب اولاد کی دائمی جدائی کا کرب کمال صبر وتحمل سے جھیلتے ہوئے رضا بالقضا کا مظہر بنے رہے اور علمی وعملی زندگی کو متأثر نہیں ہونے دیا۔

اولاد کی وفیات کا زخم کسی قدر مندمل ہوا تو ''ترجمان'' کی ادارت سے سبک دوشی، تالیفات کے معاملے میں پبلشروں کے استحصال اور جماعت کی بے التفاتی نے ان کے ذہن ودماغ کو اس حد تک متأثر کیا کہ دلی سے دل ٹوٹ گیا۔ وطن مئو کو مستقر ومستودع بنایا کہ ''كل شيء يرجع إلى أصله''۔ مئو میں قدرے سکون وطمانینت کے ساتھ پیشہ ورانہ زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ زندگی کی گاڑی اپنی رفتار سے چلتی رہی کہ گردشِ دوران نے پھر اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تقریباً بیس پچیس سال پہلے ان کی اہلیہ مرحومہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئیں اور یہ گھر میں تنہا رہ گئے۔

اب مجاز صاحب اہل وعیال سے تہی دست اپنے تنہا وجود کے ساتھ زندگی کی سنگلاخ زمین پر قدم آزمائی کررہے تھے۔ اتنے صابر وشاکر کہ غم والم کا کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا جب کہ استاد غالب دلی کے اِقبال واِدبار اور سرد وگرم چشیدہ تھے، حالات کی ناسازی سے گھبرا کر یہ ماتم کرنے پر مجبور ہوئے ؎

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

زندگی میں نشیب وفراز اور دکھ درد سے کسے مفر ہے لیکن مجاز صاحب صبر وثبات کے ساتھ سب کچھ اپنی تنہا جان پر جھیلتے رہے کہ لگتا تھا اپنی ذات میں انجمن ہیں، اور کیوں نہ ہوں! وہ ان اہل علم میں سے تھے جن کے نزدیک ع ''خير جليس في الزمان كتاب'' زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ خانۂ ویرانی اور عذابِ تنہائی کی تخفیف کے لیے ان کے چھوٹے بھائی حافظ محمد یونس صاحب شفاه الله تعالى وعافاه اپنی امکانی حد تک ان کے معاون اور خدمت گزار رہے۔

قلبی وذہنی اذیتوں کے علاوہ جسمانی طور پر بھی کئی بار حوادث سے دوچار ہوئے اور متعدد حادثے برداشت کرنا پڑے۔ ادھر تین چار برسوں میں سواریوں کے حادثات سے مجروح ہوئے ہی تھے کہ مزید افتاد یہ آن پڑی کہ مسجد میں چٹائی سے الجھ کر گر پڑے۔ کمر اور کولہے پہلے ہی حوادث سے مخدوش اور کریک تھے، اب ہڈیوں میں شکست وریخت ہونے سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ ہڈیوں کی ڈریسنگ سے اتنا فائدہ رہا کہ چھڑی کے سہارے چند قدم چل لیا کرتے تھے۔ وفات سے ایک دو ماہ پہلے رات میں استنجا کے لیے جاتے ہوئے پھر گر پڑے، جو مرض الموت بن گیا، اور افتاں وخیزاں زندگی کا خاتمہ ہوگیا، غفر الله له.

ہماری رفاقت ۱۹۴۶ء میں مدرسہ دارالحدیث رحمانی (دہلی) سے شروع ہوئی تھی اور ۲۰۱۱ء تک محیط رہی، اس حساب سے ہماری رفاقت وصداقت کی مدت ۶۵ سال ہوتی ہے۔ مجاز صاحب نے ۱۷ سال (۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۹ء تک) دہلی میں صحافتی، تصنیفی اور علمی زندگی گزار کر اپنے وطن مئو کو مقر عمل اور آخری آرام گاہ بنایا۔ غریب الوطنی کی مدت میں مکتوبات کا تبادلہ جانبین سے بلا انقطاع جاری رہا۔ ۱۹۶۹ء میں ہم دونوں ایک دو ماہ کے فرق سے جامعہ عالیہ عربیہ (مئو) میں خدمت کرنے کے لیے مامور ہوئے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں راقم کے ریٹائر ہونے کے بعد روزانہ کی رفاقت وملاقات میں فرق وفاصلہ در آنا ناگزیر ہوگیا، پھر بھی پرسش احوال کا سلسلہ کبھی ارادۃً اور کبھی اتفاقاً

جاری رہا۔

مجازؔ صاحب میں حیرت انگیز وصف یہ تھا کہ تمام روحانی تکالیف اور جسمانی شکست وریخت کے ایامِ آزمائش میں بھی ان کا ذوقِ ادب انشا پردازی اور سخن وَری کے جلوے دکھاتا رہا۔ ان کا ادبی رنگ اور فنی ملکہ اس قدر معتبر ومعروف تھا کہ اہل قلم خاص کر سخن وَروں اور ایم اے اور پی ایچ ڈی کے اسکالروں کے لیے وہ مرجع، مصلح اور مربی کا مقام رکھتے تھے۔ آئے دن کوئی اپنی نظم یا غزل لے کر اور کوئی اپنا تھیسس اپنی بغل میں دابے ان کی خدمت میں استفادے کے لیے حاضر ہوتا۔ مجازؔ صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ان کی راہنمائی کرتے اور اپنی قیمتی معلومات سے نوازنے میں تأمل نہ کرتے۔

مجازؔ صاحب کے ادبی ذوق کا ایک رنگ یہ بھی تھا کہ پُرلطف طنز ومزاح اور ظرافت کے پھول کھلانے پر ان کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ عجیب بات یہ ہوتی کہ ایسے موقع پر ان کے چہرے اور لب ولہجے پر بڑی متانت اور سنجیدگی طاری رہتی۔ جب مخاطب یا سامع ان کا اشارہ واستعارہ سمجھ جاتا تب مسکراتے، اس کے بعض نمونے درج ذیل ہیں:

☆...... ہم دونوں سفر حج میں ساتھ رہے۔ مزدلفہ میں مجازؔ صاحب اپنے برادر نسبتی حافظ مختار احمد حفظہ اللہ کے ساتھ استنجا کے لیے نکلے، مجازؔ صاحب بھٹک گئے۔ حافظ صاحب موصوف ان کو تلاش کرتے ہوئے ہمارے پاس آئے۔ عزیزم اسعد اعظمی وغیرہ ان کو تلاش کرکے لائے، رات کی تاریکی میں حافظ صاحب کو وہ دیکھ نہیں پائے، اپنی گم شدگی پر ندامت کی پردہ پوشی کے لیے غم ناک انداز میں کہنے لگے کہ حافظ صاحب کہیں گم ہوگئے، میں انھی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

☆...... دہلی میں ایک مرتبہ جمعیت اہل حدیث کا کوئی پوسٹر ''خواجہ محمد سلیم فنانشل سکریٹری جمعیت'' کے نام سے شائع ہوا، مجازؔ صاحب نے ''فنانشل'' کو ''فنا نسل'' کا جامہ پہنا دیا۔

☆...... ایک صاحب نے آب زمزم کا پانی کہا، مجازؔ صاحب نے فرمایا: آپ کے لیے ''مائے آب زمزم کا پانی'' کہنا زیادہ فصیح ہوگا۔

☆...... ایک مرتبہ طلبائے انجمن تہذیب البیان جامعہ عالیہ عربیہ (مئو) کا سالانہ میگزین ''تہذیب'' بہت ضخیم جسامت میں شائع ہوا، اس کے مدیر، زادہ اللہ علما ووفقہ لمتانۃ القلم، نے مجازؔ صاحب کو ''تہذیب'' کی وہ اشاعت بڑے حوصلے سے پیش کی، مجازؔ صاحب نے ہاتھ میں لیے بغیر اس کی ضخامت وجسامت پر نظر ڈالتے ہی فرمایا: ''یہ تفسیر نسفی ہے کیا؟ تفسیر نسفی نئی چھپی ہے؟''

جب کبھی طبیعت میں سرشاری کی کیفیت ہوتی تو ان کی ظرافت شعری مصرعوں اور مزاحیہ چٹکلوں کے عجیب عجیب رنگ دکھایا کرتی تھی۔ لذت وراحت سے محروم زندگی میں زندہ دلی نے کبھی ساتھ نہیں چھوڑا، ''خوش باش اور شاد باد، ہرچہ باداباد'' پر عمل کرتے ہوئے زندگی تمام ہوگئی اور بزم علم وادب کا ایک پرانا چراغ بجھ گیا۔ اس چراغ کے بجھنے سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مجازؔ اعظمی جیسی باکمال عبقری شخصیت جس کا دماغ، جس کی زبان، جس کا اشہب قلم، علم وفن اور ادب وصحافت کے میدانوں میں برجستہ دوڑا کرتا تھا، اس کی زندگی کا آخری نصف حصہ زیادہ تر غیر علمی کاموں میں الجھ کر ضائع ہوگیا، ورنہ ان کے علمی کارناموں اور قلمی شہ پاروں کا ایک قیمتی ذخیرہ موجود ہوتا۔ صد افسوس ہماری جماعت وجمعیت پر کہ ان کی قدر ومنزلت کو نہیں پہچانا اور ان کے علمی مقام کو ضائع ہونے سے نہیں بچایا۔ أضاعوه وأي فتى أضاعوا......!

ضروری اعلان

''محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری'' ۲۱؍رمضان المبارک تا ۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ (بمطابق ۱۰؍اگست تا ۲۳؍اگست ۲۰۱۲ء)

مکمل بند رہے گی۔ شائقین مطالعہ نوٹ فرمالیں۔

(ناظم دار الدعوۃ السّلفیہ)

تعلیم وتربیت

رمضان المبارک؛ ماہِ غفران

محمد سلیم چنیوٹی

جناب نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک سے ایک مہینا قبل ہی، یعنی شعبان المعظم سے ہی روزے سے رکھنا شروع فرما دیتے تھے، یعنی اس ماہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ شعبان المعظم کے بعد رمضان المبارک میں داخل ہوتے تو عبادت کے لیے کمر ہمت باندھ لیتے۔ ساری ساری رات قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا۔ صدقہ وخیرات میں کوئی بھی آپ ﷺ کا ثانی نہ تھا۔ آپ ﷺ اس ماہِ مبارک میں تیز ہوا کے جھونکوں کی طرح صدقہ وخیرات فرمایا کرتے تھے۔

رمضان المبارک میں کیے گئے اعمال کا ثواب اللہ کریم بہت زیادہ بڑھا کر مومنوں کے حساب میں جمع فرما دیتا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں کیے گئے اعمال دوسرے مہینوں کی نسبت سے ثواب میں بڑھ جاتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک انصاری خاتون سے فرمایا:

”جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا کیوں کہ رمضان کا عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے۔“ (مسلم شریف: ۱۲۵۶)

قرآنِ کریم کا نزول اسی ماہِ مبارک میں مکمل ہوا۔ قرآنِ کریم میں اسی ماہِ مبارک کا نام آتا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ١٨٥]

اس ماہِ مبارک میں جس نے بھی اپنے گناہ معاف کروانے ہوں اور جس نے بھی جنت میں درجہ حاصل کرنا ہو تو اسے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان المبارک میں کثرت سے قیام، کثرت سے تلاوتِ قرآن اور کثرت سے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے، فرمایا:

((من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.)) (صحيح مسلم: ٧٥٩)

”جس نے رمضان کا قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔“

اس ماہِ مبارک میں نبی آخر الزماں ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا بھی بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ جب بھی نبی کریم ﷺ کا نامِ نامی کہیں بھی پڑھیں یا کسی کی زبان سے سنیں تو فوراً درودِ پاک ضرور پڑھیں۔ یہ عمل بڑا بابرکت اور یقیناً قبولیت والا عمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس آدمی کی بھی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آ کر اس کی بخشش سے پہلے گزر گیا۔ اور اس شخص کی بھی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے بوڑھے والدین کو پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا۔“ (ترمذي، رقم الحديث: ٣٥٤٥)

بوڑھے والدین ہی نہیں اگر والدین صحت مند، جوان اور صحیح الجسم بھی ہوں تب بھی ان کی خدمت نہ کرنا اور ان کے آرام میں بے جا مداخلت کر کے انھیں بے آرام کرنا گناہوں کا باعث ہے۔ اللہ کریم سب کو اپنے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ اگر مرحوم والدین کے لیے صدقہ وخیرات، ان کے عزیز واقارب کے ساتھ تعاون، والدین کے دوستوں اور ان کے بھائیوں کے ساتھ ہم دردی کی جائے تو یہ بھی والدین ہی کی خدمت میں شمار ہوگی۔

رمضان المبارک میں چھوٹے سے چھوٹا نیک عمل بھی درجے میں بڑھ چڑھ کر نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، درمیانی مدت کے گناہوں کو مٹادینے والے ہیں جب تک کبیرہ گناہوں سے بچاجائے۔''

(مسلم شریف:۲۳۳)

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، بخشش، مغفرت، گناہوں سے نجات، درجات کی بلندی کی اندھا دھند بارش ہوتی ہے۔اس سے ہر مسلمان کوضرور مستفید ہونا چاہیے۔قرآن کی تلاوت کثرت سے کریں۔حضور اکرم ﷺ کی سنت وطریقے کو ہمیشہ سب اعمال میں پیش نظر رکھیں کیوں کہ سنت رسول کے مطابق کیے گئے اعمال ہی قبولیت کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ اصلاح وتربیت کے پروگراموں میں ضرور شمولیت رکھیں۔ نماز تراویح کے علاوہ نوافل کی کثرت کا اہتمام، غریب ومساکین اور مستحقین کے ساتھ دل کھول کران کے دکھوں کا مداوا بھی بڑے درجات کے حصول کا باعث ہے۔مساجد ومدارس دینیہ کی تعمیر وترقی اور طلبائے دین کے ساتھ مالی تعاون بھی اعمالِ خیر ہیں۔جن لوگوں کواللہ نے اپنے مال سے نوازا ہے وہ اسے صحیح مقام پرضرور خرچ کریں۔ اللہ کریم اِس ماہِ مبارک سے ہمیں زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق دے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس ہمارے مقدر میں لکھ دے۔ ہمارے اساتذہ، ہمارے مرحوم والدین کی بھی مغفرت فرمائے،آمین یارب العالمین۔

قاضی حسن معزالدین کی وفات

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ مصنف ''رحمۃ للعالمین'' کے پوتے محترم قاضی حسن معزالدین ۱۰ رمضان المبارک بروز پیر بمطابق ۳۰ جولائی ۲۰۱۲ء وفات پاگئے۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

احباب موصوف کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔(لواحقین)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

سہ ماہی مجلّہ "الجامعة السلفيه" اسلام آباد

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

جامعہ سلفیہ، اسلام آباد جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم دینی وعلمی درس گاہ ہے۔ حافظ محمد شفیق شیخ کی سرپرستی میں اس جامعہ سے ایک سہ ماہی مجلّہ "الجامعة السلفية" گزشتہ پانچ سال سے جاری ہے۔ ڈاکٹر حافظ طاہر محمود صاحب کی ادارت میں یہ مجلّہ اپنے علمی وتحقیقی سفر پر گامزن ہے۔

زیر تبصرہ شمارہ پانچویں جلد کا بارہواں شمارہ ہے۔ اسے اشاعتِ خاص کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جامعہ سلفیہ اسلام آباد کے ہر دل عزیز شیخ الحدیث مولانا محمد یونس عاصم رحمہ اللہ جو ۳؍دسمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار وفات پا گئے تھے، ان کی وفات حسرت آیات اسلام آباد جیسے شہر کی اس عظیم جامعہ کے در و دیوار کو بھی سوگوار کر گئی تھی۔ ان کی یاد میں اس شمارے میں مضامین شائع کیے گئے ہیں۔ مولانا عاصم کے والد گرامی، شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی، مولانا عبدالقیوم، نائب ایڈیٹر خالد الرحمٰن صاحبان کے علاوہ دیگر اہل قلم کے مضامین شامل اشاعت کیے گئے ہیں۔

جناب کلیم حسین شاہ صاحب (متعلم جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ) کا مضمون بھی شامل اشاعت ہے۔ بیشتر مضامین شیخ الحدیث مولانا عاصم رحمہ اللہ کے بارے میں ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت حافظ عبدالمنان نور پوری اور حافظ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر شہید رحمہما اللہ علیہما پر بھی چند مضامین اس میں شامل ہیں جو اہل علم اور طلباء کے لیے معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہیں۔

فی شمارہ قیمت ۲۵ روپے ہے، سالانہ زرتعاون ۱۰۰ روپے رکھا گیا ہے۔ اس شمارے کے صفحات ۷۰ ہیں۔ اہل ذوق استفادہ کریں۔

اللہ کی نظر رحمت سے محروم لوگ

مرتب: **محمد عبدالعزیز الخضری**

ترجمہ: **حافظ محمد کاشف**

ضخامت: **۳۳ صفحات**

قیمت: **درج نہیں**

تبصرہ نگار: **محمد سلیم چنیوٹی**

اس مختصر سے کتابچے میں چند ایسے خطرناک گناہوں کا ذکر ہے جن کے کرنے سے انسان مزید گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ یہ ایسے گناہ ہیں جن کی سزائیں بھی متعدد ہوتی ہیں۔

یہ پندرہ گناہوں کی فہرست ہے، مثلاً: اللہ کے احکام کو چھپانا، اللہ تعالیٰ کا عہد تھوڑے داموں فروخت کر دینا، جھوٹی قسم کھا کر مال کا بیچنا، بڑھاپے میں بھی زنا کی طرف رغبت کرنا، بادشاہ ہو کر جھوٹ بولنا، والدین کا نافرمان ہونا، مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتیں وغیرہ۔

یہ کتابچہ دارالقاسم (فون نمبر: 0321-5002543) سے مل سکتا ہے۔

دعواتُ المومنین

مرتب: **قاری شاہ محمد ربانی**

ناشر: **مکتبہ دارالسلام، کلیال، وادی سون، ضلع خوشاب**

تبصرہ نگار: **محمد سلیم چنیوٹی**

''دعواتُ المومنین'' کی صورت میں قاری شاہ محمد ربانی صاحب

نے قرآنی دعاؤں کا مجموعہ پیش کیا ہے۔ یہ وہ دعائیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اللہ کریم سے مانگیں اور اپنے امتیوں کو بھی سکھائیں تاکہ حاجات ومناجات کرتے وقت اپنے خالق ومالک اللہ کریم ہی سے مانگا جائے۔ یقیناً اللہ کریم ہی ہے جو اپنے بندوں کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔

قاری شاہ محمد ربانی صاحب نے توحید وسنت سے بھرپور تبلیغ کی ہے اور اس کتاب میں شرکیہ وکفریہ اقوال کی بھی بیخ کنی کی ہے۔

کتاب کے شروع میں تبصرے وتقاریظ بھی ہیں۔ بعض جگہ تبلیغی وتوحیدی اشتہارات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

کتاب منگوانے کے لیے پتا اور فون نمبر نوٹ فرمالیں:

قاری شاہ محمد ربانی امیر جماعت اہل حدیث کلیال، وادی سون، ضلع خوشاب۔ فون نمبر: 0334-7533601

احکامِ سترہ

مرتب: مولانا غلام مصطفیٰ فاروق

ضخامت: ۱۰۴ صفحات

ناشر: کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتاب نماز جیسی اہم عبادت کے وقت "سترے" جیسے عمل کو اختیار کرنے کے بارے تحریر کی گئی ہے۔ نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے آگے کسی چیز کی آڑ بنالے تو یہ سترہ کہلاتا ہے۔ سترہ رکھنا سنت رسول اللہ اور اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا طریقہ وعمل ہے۔ اگر سترہ رکھا ہو تو دوسرے نمازیوں کو گزرنے میں تکلیف نہیں ہوگی اور نمازی بھی بہ آسانی اپنی نماز ادا کرتا رہے گا۔

مولانا غلام مصطفیٰ فاروق صاحب نے احکامِ سترہ کے متعلق جتنے بھی احکامات وفرمودات کتبِ احادیث میں ملاحظہ کیے انھیں مرتب انداز میں یک جا کرکے ایک اہم مسئلے کی بالدلائل وضاحت کردی ہے۔

سترہ کیا ہے؟ سترے کے متعلق وضاحتیں اور اس کی نوعیتیں اور سترہ کس طرح اور کس چیز کا ہونا چاہیے، یہ کیوں اور کس لیے رکھا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ سوالات خود بہ خود حل ہوجائیں گے۔

شروع میں حافظ شاہد محمود صاحب کا مختصر مگر جان دار مقدمہ ہے اور ان کی مراجعت سے کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ اللہ کریم مرتب وناشر کی یہ محنت قبول فرمائے۔

کتاب نیوز پیپر پر شائع شدہ ہے اور کارڈ کور استعمال کیا گیا ہے۔ قیمت درج نہیں۔

چوہدری حاجی محمد صادق گجر کی وفات

موضع حافظ والا ضلع بہاولنگر کے نمبردار مدرسہ صدر العلوم کے مہتمم حاجی محمد معاذ گجر کے والد گرامی چوہدری محمد صادق گجر ۱۷ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز منگل اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ علاقہ بھر کے دینی مدارس وعلمائے جماعت کے محسن ومربی اور مشفق تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ مولانا محمد اکرم طارق خطیب شہر بہاولنگر نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں مولانا عبدالرشید حجازی، مولانا حافظ عبدالقدوس چشتیاں، مولانا ثناء اللہ مجاہد، مولانا قاری عبدالحمید صدیقی بہاولنگر ودیگر علماء، طلباء اور علاقے کے سیاسی زعماء شریک ہوئے۔ مرحوم کو حافظ والا کے آبائی قبرستان میں ان کے والد گرامی حاجی ضیاء الدین رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ قارئین کرام مرحوم چوہدری محمد صادق گجر کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔

قاری محمد حسن سلفی

خطیب مرکزی جامع مسجد طوبیٰ 134/9L ساہیوال

بہار آئی تو......

کمالِ دغدغۂ انقلاب دیکھا ہے
ہر اک وزیر کو گردوں رکاب دیکھا ہے
ہزار بار گھنی داڑھیوں کے سائے میں
خدا کا خوف بہ عنوانِ خواب دیکھا ہے
بہار آئی تو اس شہرِ لالہ و گُل میں
جو راہنما تھے انھیں بے نقاب دیکھا ہے
سرودِ منبر و محراب کے رگ و پے میں
خروشِ نغمۂ چنگ و رباب دیکھا ہے

ذلیل لوگ خدایانِ عصرِ حاضر ہیں
یہ ایک معجزۂ انتخاب دیکھا ہے
جو کاسہ لیس کبھی انقلابِ دشمن تھے
اسی چمن میں انھیں کامیاب دیکھا ہے
فقیہ و صوفی و ملا کو خانقاہوں میں
فغاں کہ تاجرِ اُمُّ الکتاب دیکھا ہے

(شورش کاشمیری)